۲۰

ششماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

جنوری تا جون ۲۰۱۹ء

نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی۔ مکھڈ شریف (اٹک)

بفیضان

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

بیادگار

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

علم و عرفاں کا ترجماں

ششماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

جنوری تا جون ۲۰۱۹ء

شمارہ: ۲۰

نظامیہ دارالاشاعت

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی۔ مکھڈ شریف۔ اٹک

ہدیہ: سالانہ: ۷۰۰ روپے فی شمارہ: ۳۵۰ روپے

رابطہ : مدیران: 0343-5894737 / 03468506343 / 03335456555

e-mail: sajidnizami77@gmail.com

فہرستِ مندرجات

گوشۂ عقیدت:

خیابانِ مضامین:

تراجم:

☆☆☆☆

اداریہ

ایک مجلس میں حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے سامنے بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اُن میں سے بعض کے اوپر دھوپ تھی۔اس وقت حضرت خواجہ نے لوگوں سے کہا کہ آپ سب لوگ ذرا گنجان (قریب قریب) ہو کر بیٹھیں کہ جو لوگ دھوپ میں ہیں اُن کو بھی جگہ مل جائے۔کیوں کہ دھوپ میں تو یہ لوگ بیٹھے ہیں اور جل میں رہا ہوں۔

ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ جو فعل انسان سے سرزد ہوتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اس کا خالق خدا ہی ہے۔جو کچھ ہوتا ہے کسی سے کیا رنجیدہ ہونا چاہیے۔پھر آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک بار شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ راستہ میں جا رہے تھے ایک احمق نے پیچھے سے آ کر آپ کے ایک دھول ماری۔آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا؛اس احمق نے کہا آپ کیا دیکھتے ہیں۔آپ کا قول ہے کہ جو کچھ بھلائی یا برائی ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔شیخ نے فرمایا:بے شک یہ میرا قول ہے لیکن میں یہ دیکھتا ہوں کہ درمیان میں کس کے نامزد یہ بدبختی ظاہر ہوئی۔

انسانیت آج اپنی تلاش میں سرگرداں ہے۔ہر طرف ظلم و بربریت کا بازار گرم ہے۔کیا اپنے کیا پرائے سبھی ایک دوسرے کے درپے ہیں۔فکرِ دُنیا نے انسان کو لاوارث بنا دیا ہے۔تمام شعبہ ہائے زندگی میں مصروفِ کار صاحبان علم و فن کی تمام تر فنکاریاں اسی کے لیے وقف ہیں۔ہم معاشرے کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کتنے شانت ہوتے ہیں کہ اپنے ذمہ سبھی کام کس خوش اسلوبی سے نمٹا لیے۔کار بد کے طفیل بدبختیاں ہمارا مقدر ہو چلیں۔کشمیر و فلسطین، عراق و افغانستان اور یمن و شام کے علاوہ جہاں بھر میں اسلام اور مظلومیت لازم و ملزوم ہو چلے۔خاکم بدہن اگر ہماری چال ڈھال یہی رہی تو واپسی کے سبھی رستے مسدود ہی نہ کر دیے جائیں۔قیل و قال سے آگے کی منازل کیا ہیں؟ شاید کبھی ہم سوچ سکیں۔یہاں تو سوچوں پر پہرے ہیں۔تشہیرِ ذات کی منازل میں جامد قوم کے سبھی کارپرداز سرمایۂ ذات کو اسی مشن کے لیے لٹائے چلے جا رہے ہیں؛اور یہ سفر طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔منزل اور راستہ دونوں بُعدِ مشرقین کا شکار ہیں۔طنابیں کسی جا چکیں۔اب انتظار ختم ہونے کو ہے۔

○

''قندیل سلیمان'' کا شمارا ہیں حاضرِ خدمت ہے۔اس میں ''تراجم'' اور ''سفرنامے'' کے ذیل میں نئے سلسلے شروع کیے جا رہے ہیں۔استادِ محترم جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور جناب ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کی معاونت ہمارے لیے منارۂ نور کی مثل ہے۔ڈاکٹر عارف نوشاہی، ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر خورشید احمد قادری اور دیگر محققین کی قلمی معاونت نے اس گلدستے کو سجانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ہم تمام صاحبانِ علم و فن کے سراپا سپاس گزار ہیں کہ انھوں نے

اپنی نگارشات سے نوازا۔

کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی میں نئی کتب کی فہرست سازی کے کام کو مرتب کرنے کے لیے ایک نیا سلسلہ بھی شروع کیا جا رہا ہے۔ جس میں سر دست گوشہ افتخار احمد حافظ کی فہرستِ کتب کو شامل کیا گیا ہے۔ بعد ازاں گوشہ نذر صابری [عطیہ کتب: ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر] اور گوشہ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی فہرستِ کتب کو شامل کیا جائے گا۔

مدیر

حمد باری تعالیٰ

شوکت محمود شوکت

ذکر تیرا جو مرے وردِ زباں ہے یا رب
دل شگفتہ ہے ، توانا ہے ، جواں ہے یا رب

لفظ تیرے ہیں سبھی ، کون و مکاں تیرے ہیں
حاصلِ ''کن فیکوں'' ، بزم جہاں ہے یا رب

مثلِ خوش بُو تجھے مستور گلوں میں دیکھا
ذرے ذرے سے ترا جلوہ عیاں ہے یا رب

چاند تارے ، تری صناعی کے آثار احسن
خاور شرق ، جلالت کا نشاں ہے یا رب

رزق پتھر میں بھی کیڑے کو عطا کرتا ہے
کس قدر ذات تری رزق رساں ہے یا رب

دل میں ہر لحظہ دھڑکتا ہوا پاؤں تجھ کو
در حقیقت ، تو قریبِ رگِ جاں ہے یا رب

مجھ کو مطلوب ، تری حمد و ثنا ہے ہر دم
میرا مقصد ، تری عظمت کا بیاں ہے یا رب

میرے افکار سے ، اسرار سے واقف تو ہے
شے کوئی بھی ہو ، کہاں تجھ سے نہاں ہے یا رب

کیسے توصیف کرے بندۂ عاجز کہ تری
عقلِ انساں سے ورا شوکت و شاں ہے یا رب

☆☆☆

اِستغاثہ

معین نظامی

مرے مَولائے یثرب
دھیرے دھیرے میرا دل تاریک ہوتا جا رہا ہے
اور میں بے نور آنکھوں سے
وہ کشتی کھے رہا ہوں
جس کے پیندے میں
مرے اپنے ہی ہاتھوں سے
کئی سُوراخ ہوتے جا رہے ہیں
اور اُدھر
بوجھل سمُندر کی ہوا
نوحے کی لَے میں بین کرتی ہے
مرے چپّو کو چُھو چُھو کر گزرتی ہے
مری کچھ مہرباں مُرغابیاں ہیں
جن کو موجوں کے مزاجوں کی خبر رہتی ہے
بے تابی سے آ آ کر
وہ سَرگوشی میں
میرے بادبانوں کو بتاتی ہیں کہ:
"تُم گہرے سمُندر میں چلے آئے ہو
جس میں آج تک کوئی نہیں آیا
اور اس میں ایک آدم خور گرداب بلا ہے
جس سے کوئی بچ نہیں سکتا"
مرے آقا
مرے بجھتے ہوئے دل
اور تاریکی کے ڈھیلوں جیسی آنکھوں کو

زمانوں اور گمانوں اور اِنسانوں کے بارے میں
حقایق کی ہدایت کر
مری اِس کشتی دُنیا و دیں کے
ٹکڑے ٹکڑے کی حفاظت کر
کہ وقتِ اِستغاثہ ہے

☆☆☆☆

شہیدِ کربلا

عبدالغفور ریاضؔ

اے شہیدِ کربلا سرمایۂ صدق و وفا
رحمتیں تیرے تصدق صورتِ بادِ صبا

اس فقید المثل قربانی پہ حق کو ناز ہے
سر کٹا کے تو نے حق کا بول بالا کر دیا

رشک ہے جبریلؑ کو اس جذبۂ ایثار پر
محوِ حیرت ہیں ملائک اور سارے انبیا

عشق کی تفسیر ہے اسلام کی تقدیر ہے
زبدۂ ختم الرسل فخر علی المرتضیٰ

سطوتِ باطل کے ایوانوں کو کردے سرنگوں
ہے ریاضؔ اس دور میں ایسا کوئی مردِ خدا

حافظِ دینِ متیں کوئی نہیں اس دور میں
آج مسلم کو ہوس نے پارہ پارہ کر دیا

"شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند"

پھر زمانے کو ضرورت ہے کسی شبیر کی
ریگ زار کربلا سے آ رہی ہے یہ صدا

عرض کرنے کو زباں رکھتا نہیں اقبالؔ کی
ان کے ہی الفاظ میں کہتا ہوں اپنا مدعا

"وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا"

☆☆☆

مخطوطات فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی

(ذخیرۂ مولانا احمد الدین مکھڈی) مکھڈ، ضلع اٹک

ڈاکٹر عارف نوشاہی ☆

(مخطوطات 31 تا 60)

31. آداب الطالبین

مؤلف: شیخ محمد بن شیخ حسن محمد احمد آبادی گجراتی.

☆ نستعلیق، نام کاتب و تاریخ کتابت نہیں ہے، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، ۵۵ ورق.

32. حقایق الحدایق

مؤلف: شرف الدین محمد بن حسن رامی تبریزی.

متاخر شعرا کے ہاں فن عروض کی اصطلاحات کے بارے میں، ۱۰ ابواب.

نستعلیق خوش، عنوانات شنگرف، سال کتابت ۱۱۴۹ ہجری، ۲۷ ورق، ناقص الاول

33. مجمع الصنایع

مؤلف: نظام الدین احمد بن محمد صالح الصدیقی الحسنی والحسینی من جانب الاب والام بجنوری.

تاریخ تالیف: ۱۰۶۰ ہجری. (مادّہ: غنی)

۴ فصل: ۱. تقسیم کلام، ۲. بدایع لفظی، ۳. صنایع معنوی، ۴. سرقات شعری و خاتمہ.

☆ نستعلیق خوش، عنوانات شنگرف، نام کاتب و تاریخ کتابت نہیں ہے، قیاساً بارہویں صدی ہجری، ۹ ورق، ناقص الآخر.

☆ ادارۂ معارف نوشاہیہ، ۶۹ ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد

(arifnaushahi@gmail.com)

34. مجموعہ:

۱. محمود نامہ، ورق ۲-۱۳

مؤلف: محمود لاہوری.

غزلوں کا ردیف وار مجموعہ، جو عام طور پر بیت بازی کے لیے کارآمد رہا ہے.

آغاز: ای داغ بردل از غم خال تو لالہ را / شرمندہ ساختہ آہوی چشمت غزالہ را

۲. بوستان خیال / شرح محمود نامہ، ورق ۱۱۴الف-۱۵اب

شارح: محمد ارشد اشرف متخلص بہ خیال، ساکن شاہجہان آباد.

☆ نستعلیق، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، نامکمل شرح تا ردیف حاء.

35. حاشیہ اشعۃ اللمعات

حاشیہ نویس: عبد الغفور.

اشعۃ اللمعات جامی پر حاشیہ ہے جو خود لمعات عراقی کی شرح ہے.

آغاز: لولا لمعات برق نور القدم، بدان کہ ظہور در ذات قدیم حق سبحانہ تعالی را سہ نوع درخشیدن است. نوع اول درخشیدن نور وجود علمی کہ آن دانستن ذات حق است مر خودش را.

☆ نستعلیق، غلام حسن نا ملی، ربیع الاول ۱۳۱۷ ہجری، باشارت سجادہ نشین حضرت مولانا مولوی محمد زین الدین اغنی حضرت مولانا مولوی محمد غلام محی الدین، ۶۲ ورق.

36. تحفہ / شرح صرف میر

مؤلف: میر سیّد شریف جرجانی مؤلف صرف میر.

شارح: نور محمد مدقق بن شیخ محمد فیروز بن شیخ فتح اللہ لاہوری.

اورنگ زیب عالمگیر کے نام معنون ہے، سوال و جواب کی صورت میں. دیباچہ عربی میں اور شرح فارسی میں ہے.

آغاز: نحمدک یا من بیدہ الصحۃ والاسقام ... قولہ بسم اللہ ... ابتدا کرد مصنف کتاب خود را بہ بسم اللہ

☆ نستعلیق، محمد عظیم قادری، بلا تاریخ، قیاساً بارہویں صدی ہجری، ۴۳ ورق.

37. قانون / قانونچہ در علم صرف

مؤلف: ناشناس.

عربی صرف ہے، عنوانات ''قانون'' کے ساتھ.

آغاز: الحمد للہ رب العالمین... بدان اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ جملہ افعال متصرفہ واسماء متمکنہ بر چہار نوع است، صحیح و مہموز و معتل و مضاعف.

☆ نستعلیق، میاں محکم دین، بلا تاریخ، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، ۱۰ ورق.

38. مجموعہ:

علم قافیہ میں عربی اور فارسی رسائل کا مجموعہ، ایک ہی کاتب (محمد محسن) کے قلم سے، بخط نستعلیق، بلا تاریخ، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، کتب خانے کی قدیم مہر ''کتب خانہ حضرت مولانا صاحب مکھڈی'' ثبت ہے.

۱. مختصر وافی در قواعد علم قوافی، ورق ۱ الف-۵ ب.

مؤلف: عبدالرحمان جامی.

آغاز: بعد از تیمن بہ موزون ترین کلامی کہ قافیہ سنجان انجمن فصاحت بدان تکلم کنند.

۲. فتح رب البریہ لشرح قصیدۃ الخزرجیہ (عربی)، ۶ الف-۱۵ ب، نامکمل نسخہ

بحر طویل میں علم عروض وقوافی پر ۶۹ بیت کا قصیدہ از علامہ ضیاء الدین ابی محمد عبداللہ بن محمد الخزرجی المالکی الاندلسی.

شارح: ابو یحییٰ زین الدین زکریا بن محمد بن احمد السنیکی القاہری الشافعی معروف بہ زکریا انصاری (وفات: ۹۲۶ھ).

۳. مفتاح البدائع، ۱۶ ب-۲۵ ب.

مؤلف: وحید تبریزی.

تاریخ تالیف: ۸۲۰ھ، مادہ تاریخ ''خیری''

صنائع شعر پر ہے.

آغاز: لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر... شکر وسپاس خداوند متکلم را کہ انسان را تشریف نطق بخشید.

39. شرح لمعات

مؤلف: فخر الدین عراقی.

شارح: عبدالرحمان جامی.

☆ نستعلیق، بلا تاریخ، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، ۶۷ ورق.

40. قانون/قانونچہ درعلم صرف

مطابق شمارہ 37

☆نستعلیق، بلا نام کاتب و تاریخ کتابت، ۲۴ورق، ترقیمہ میں یہ عبارت لکھی ہے: این کتاب میان صاحب مولوی مکھڈی.

41. صرف بہائی

مولف: بہاءالدین محمد عاملی.

عربی صرف پر مشہور کتاب ہے.

آغاز: بدان اسعدک اللہ فی الدارین کہ کلمات لغت عرب بر سہ قسم است.

☆نستعلیق، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، ۱۸ورق، ناقص الآخر.

42. مرآت الصرف

مؤلف: شیر محمد بن شیخ محمد قریشی.

دیباچے میں لکھتے ہیں چونکہ تعلیلات صرف میر بکھری ہوئی تھیں اور مبتدی اس سے پریشان رہتے تھے انھوں نے یہ جامع کتاب لکھی.

آغاز: حمد کماہی وثنای نامتناہی مرخدایی را کہ ذات اوسالم است از علت ومثال. وصفات اومنزہ از قلب وابدال.

☆نستعلیق، بلا نام کاتب وتاریخ کتابت، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، ۱۵ورق.

43. دستور المبتدی

مؤلف: صفی بن نصیر، اپنے بیٹے شیخ ابوالمکارم اسماعیل کے لیے لکھی.

اعلال، تخفیف، ہمزہ اور ادغام کے قوانین بیان ہوئے ہیں.

آغاز: الحمد للہ الذی یصرف الاحوال ویخفف الاثقال بکشف العلل ویصلح العمل.

☆نستعلیق، بلا کاتب وتاریخ کتابت، قیاساً چودہویں صدی ہجری، ۲۷ورق.

44. نصاب الصبیان (منظوم)

مؤلف: ابونصر فراہی.

آغاز: زبعد حمد خالق بی ثانی/ بعون و فضل والطاف الٰہی

نستعلیق، بلاکاتب وتاریخ کتابت، قیاسا تیرہویں صدی ہجری، باحواشی متعدد، ۲۵ ورق.

45. آداب الطالبین

مؤلف: شیخ محمد بن شیخ حسن محمد احمد آبادی گجراتی.

مطابق شمارہ 31

☆نستعلیق، کرم الدین طالب علم متوطن سیال شریف، بلاتاریخ، قیاسا چودھویں صدی ہجری، ۲۴ ورق. برائے میاں رمضان پراچہ، درخانقاہ مولوی صاحب

آن کہ انسان و ملائک تابع احکام اوست
خواجہ اسلام شمس الدین محمد نام اوست

46. راحت القلوب

ملفوظات شیخ فریدالدین گنج شکر، جمع کردۂ خواجہ نظام الدین احمد بداونی (دیباچہ).

آغاز: الحمدللہ رب العالمین... این است جواہر گنج الہام ربانی واین زواہر فضل علوم سبحانی کہ از زبان دُربار ولفظ گوہر نثار.

☆نستعلیق، متاخر نسخہ، ناقص الآخر، ۶۱ ورق.

47. راحت القلوب

. مطابق شمارہ 46

نستعلیق، فضل احمد ابن شیخ عمر عرف قریشی عباسی، سکنہ موضع جبی، الحال جبی شاہ دلاور ضلع چکوال، ۲۰ محرم ۱۳۰۸ھ، برای پاس خاطر حافظ طلب الدین، سکنہ نوشہرہ تعلقہ پنڈی گھیپ، ۱۰۷ ورق.

48. راحت القلوب

مطابق شمارہ 46

☆نستعلیق، غلام محمود بن سلطان احمد بن عبداللہ، ۷ جمادی الاول، بلا تاریخ، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، ۵۳ ورق، مالک نسخہ مخدوم حافظ علاول مقیم موچھ۔

49. کشکول

مؤلف: شاہ کلیم اللہ جہان آبادی۔

آغاز: الحمد منہ بہ والصلوۃ من لدیہ الیہ، اما بعد کشکولی کہ لقماتش لطیفہ ربانیہ راقوت بخشد۔

☆نستعلیق، بلا تاریخ، قیاساً تیرہویں صدی ہجری، ۹ ورق۔

50. مجموعہ:

۱. کشکول، ورق ۲ب-۴۵ب

مؤلف: کلیم اللہ جہان آبادی۔

☆نستعلیق معمولی، حسن الدین شاہ، بروز چہار شنبہ، وقت چاشت، ربیع الثانی ۱۲۳۲ھ، در موضع مبارک تونسہ۔

۲. پردہ برانداخت و بردگی شناخت، ورق ۵۵الف-۵۸الف

منسوب بہ عین القضات ہمدانی یا خواجہ باقی باللہ دہلوی۔

آغاز: اقرب طرق، طریقہ توحید است، ہر کہ از ابتدای علم توحید را رفیق خود ساخت۔

☆نستعلیق معمولی، حسن الدین شاہ، روز پنج شنبہ، وقت ظہر، اول ربیع الثانی ۱۲۳۲ھ، در مکان مبارک تونسہ

۳. رسالہ در بیان مراتب فنافی اللہ و صول الی اللہ، ورق ۶۹الف-۷۳ب

مؤلف: محمد بن سعید الحسینی۔

فنا کی تین اقسام کے بارے میں ہے: فنافی الافعال، فنافی الذات، فنافی الصفات۔

آغاز: بعد حمد واجب الوجودی کہ بہ چند ہزار صور و شکل ظاہر شدہ است۔

☆نستعلیق معمولی، حسن الدین شاہ۔

51. کشکول

مطابق شمارہ ۴۹ و ۵۰

☆نستعلیق معمولی، وقت ضحیٰ، یوم ثلاثا، ۱۲۳۴ھ، ۲۷ ورق۔

52. مجموعہ

۱. مرقعہ، ورق ۱۲ الف-۴۴ب

آغاز: یا کل الکل بک... امابعد پس ہر فایدہ ای کہ مسطور درین اوراق است بہ منزلہ رقعہ است کہ از پیران خرقہ پوش سراپا ہوش بہ این گدا رسیدہ.

☆ نستعلیق، ۱۲۹۱ھ.

۲. کشکول، ورق ۴۵ب-۸۵ب

مطابق شمارہ ۴۹ و ۵۰

☆ نستعلیق، پاس خاطر محمد عالم شاہ گجراتی، دست خط شیخ غلام محمد نومسلم ساکن عیسی خیل ضلع بنوں، مرقومہ در مقام مکھڈ شریف بہ زیارت شمس العارفین مولینا صاحب ادام اللہ تعالی برکاتہ.

53. مجموعہ سلطانی (فقہ)

سلطان محمود غزنوی کے حکم پر تشکیل پانے والے علما کے ایک بورڈ نے فقہی مسائل سے نمٹنے کے لیے اسے تیار کیا.

آغاز: الحمدللہ رب العالمین ... بدان کہ این کتاب در بیان مسایل فقہ در عبادات ونام این کتاب مجموع سلطانی نہادہ شد.

☆ نستعلیق، شیخ حامد بن میان مسلم گوندل، ساکن موضع رکن، عملہ پرگنہ گجرات، بلا تاریخ، تیرھویں صدی ہجری، ۶۱ ورق.

54. دیوان بیدل

میرزا عبدالقادر بیدل.

غزلیات و رباعیات پر مشتمل ہے.

آغاز: بہ اوج کبریا کز پہلوی عجز است راہ آنجا

☆ شکستہ، بارھویں صدی ہجری، رباعیات کا حصہ ناقص الآخر، ۲۳۱ ورق.

55. کیمیاے سعادت

مؤلف: محمد غزالی.

☆ نستعلیق، بارھویں صدی ہجری، ناقص الطرفین، ۹۵ ورق.

56. کیمیاے سعادت

مؤلف: محمد غزالی.

آغاز: شکر وسپاس فراوان بہ عدد ستارہ ہای آسمان وقطرہ ہای باران وبرگ درختان وریگ بیابان.

☆ نستعلیق، گیارہویں صدی ہجری، ناکمل، ۶۷ ورق، پہلے ورق پر دو مہریں، ایک: قاضی حافظ عنایت اللہ ۱۱۰۶، دوسری: زیارت لائبریری خانقاہ معلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈ شریف اٹک.

57. کیمیاے سعادت

مطابق شمارہ ۵۶

نستعلیق، گیارہویں صدی ہجری، نسخہ رکن سوم سے شروع ہوتا ہے اور آخر سے ناقص ہے، ۱۳۳ ورق.

58. شرح مثنوی معنوی

شارح: نامعلوم، اسی شارح نے اپنے ایک دوسرے رسالہ تفریح الطالبین فی ارادت مولانا شمس الدین کا حوالہ دیا ہے. لیکن اس رسالے کے مزید کوائف بھی دستیاب نہیں ہوئے.

☆ نستعلیق، دو مختلف قلم، ناکمل، ۸۸ ورق.

59. شرح مخزن الاسرار

متن از نظامی گنجوی.

شارح: قاضی ابراہیم بن اسماعیل ٹھٹھوی.

تاریخ تالیف: ۱۰۳۷ھ.

آغاز: شکر بیحد وسپاس بیعد حکیمی راسزد کہ بہ مقتضای حکمت بالغہ وقدرت کامل.

☆ نستعلیق، بلا نام کاتب و تاریخ کتابت، تیرہویں صدی ہجری، ۱۰۱ ورق.

60

لطایف اللغات/فرہنگ مثنوی مولوی

مؤلف: عبداللطیف بن عبداللہ کبیر عباسی گجراتی.

آغاز: این فرہنگیست مشتمل بر حل لغات غریبہ عربیہ والفاظ مثنوی مولوی کہ بیمن تایید لطیف خبیر.

☆ نستعلیق خوش، حوض اور حاشیہ میں تحریر ہے، حافظ حامد جان قادری، ۵ محرم ۱۲۵۳ھ، ۱۶۲ ورق.

☆☆☆☆

نذر صابری کی نعت میں معراجیہ عناصر اور ان کا معراج نامہ

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد ☆

[ا]

واقعہ معراج تاریخ انسانی کا سب سے محیر العقول اور نادر واقعہ ہے۔ یہ صحیح معنوں میں سفر الاسفار ہے۔ رسول کائنات ﷺ کا یہ سفرِ علوی صرف عظمتِ محمدیہ کا اظہار یہ نہیں بلکہ رفعتِ بشر کا اشاریہ بھی ہے۔ قرآنِ حکیم میں سفرِ معراج کو ''اسراء'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ''اسراء'' کے معنی ''رات کو چلانے یا لے جانے'' کے ہیں۔ چوں کہ یہ مبارک سفر رات کے وقت طے ہوا، اس لیے اسے اسراء کہا گیا۔ قرآنِ حکیم کی دو سورتوں: بنی اسرائیل اور النجم میں اس سفرِ مبارک کا واضح طور پر ذکر ہوا ہے۔ احادیثِ شریف میں یہ سفرِ معراج کے نام سے معنون ہے، جس کے معنی عروج اور بلندی کے ہیں۔ واقعہ معراج کے وقت، تاریخ اور تعدادِ وقوع پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض محدثین اور اربابِ سیَر تعددِ معراج کے قائل ہیں۔ بعض کے نزدیک معراج دو بار ہوئی۔ تاہم جمہور کی رائے میں معراج ایک بار ہی وقوع پذیر ہوئی۔ مولانا شبلی نعمانی کا اس بارے میں یہ خیال ہے کہ چوں کہ جزئیاتِ معراج کی روایتوں میں اختلاف موجود ہے، اس لیے متعدد بار معراج کا وقوع تسلیم کیا گیا ہے تاہم صحیح اور مستند روایات کے مطابق اور سوادِ اعظم کے نزدیک معراج کا واقعہ محض ایک بار ہی وقوع ہوا۔(۱)

واقعہ معراج کب پیش آیا؟ اس بارے میں بھی کوئی حتمی رائے سامنے نہیں آتی۔ مختلف محدثین اور مؤرخین نے دلائل اور شواہد سے معراج کے وقوع کی جو تاریخیں ذکر کی ہیں، ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم ثقہ اور معتبر روایات کی روشنی میں اس مبارک واقعے کا وقوع ہجرت مدینہ سے سال یا ڈیڑھ سال قبل ہوا۔ معراج کی دیگر تفصیلات اور جزئیات کے باب میں بھی اختلاف موجود ہے۔ بعض کے خیال کے مطابق معراج عالمِ رویا یا عالمِ خیال میں وقوع پذیر ہوئی۔ بعض اسے روحانی سیر کا نام دیتے ہیں اور اکثریت کا معراجِ جسمانی پر اتفاق ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر معراج کا وقوع عالمِ رویا یا عالمِ خیال میں ہوتا تو اس کی روایات میں اس قدر اختلاف کیوں ہوتا اور مشرکینِ مکہ اسے کس لیے جھٹلاتے؟ عالمِ رویا یا عالمِ خیال میں ہر طرح کے واقعات پیش آ سکتے ہیں اور ان کی حیثیت چوں کہ محض خواب یا خیال کی سی ہے، اس لیے ان کے بیان میں کچھ حیرت نہیں ہو سکتی۔ واقع معراج کی حیرت آفرینی دراصل بدنِ انسانی کے ساتھ عالمِ بالا کا سفر ہے۔ دیدارِ الٰہی کے حوالے سے بھی دو بڑے مسلک سامنے آتے ہیں۔ خود صحابہ کرام میں رویتِ الٰہی پر شدید اختلاف پایا

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر (اُردو)، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

جاتا ہے۔ ایک گروہ چشمِ سر سے رویتِ الٰہی کو محال قرار دیتا ہے اور سفرِ معراج میں حضور علیہ السلام کے چشمِ ظاہر سے دیدارِ الٰہی کا صریح انکار کرتا ہے۔ اس گروہ کی سالار حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں۔ دوسرے گروہ کے مقتدا حضرت ابنِ عباسؓ ہیں جو معراج میں حضور علیہ السلام کے دیدارِ الٰہی کے قائل ہیں۔ جمہور علما اور محدثین وارباب سیَر کا اس پر اتفاق ہے کہ معراج کے موقع پر حضور علیہ السلام دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے تاہم یہ دید چشمِ سر سے نہیں چشمِ دل سے ہے۔

جزئیات اور تفصیلات میں اختلاف وانتشار کے باوجود واقعِ معراج کی صداقت شک وشبے سے بالاتر ہے اور کتبِ سیر وتواریخ اور ادبیات مسلمانانِ عالم میں اس واقعے کے جمال آفریں تذکار موجود ہیں۔ عربی، فارسی، اُردو اور مسلمانوں کی دوسری زبانوں کے شعری اور نعتیہ سرمائے میں اس سفرِ نادرہ کو ایک مستقل بالذات موضوع کی حیثیت حاصل ہے۔ شعرائے کرام نے جذب وشوق کی وارفتگی کے ساتھ اس واقعے اور اس کی تفصیلات کو لباسِ شعر میں ڈھالا ہے۔ فارسی، اُردو، پنجابی اور کئی دوسری زبانوں میں اس واقعے کو پیش کرنے کے لیے ایک مخصوص شعری صنف ''معراج نامہ'' کے نام سے وجود میں آئی۔ کئی زبانوں میں معراج نامہ کی مستحکم اور توانا روایتیں موجود ہیں جو شعرائے کرام کی حضور علیہ السلام کی سیرِ آسمانی سے قلبی وابستگی اور دلچسپی کی گواہی دیتی ہیں۔

[۲]

حضرت نذر صابری کا شمار ماضی قریب کے اُن صاحبانِ علم وادب میں ہوتا ہے، جنھوں نے اپنی زندگی علم وادب کی اشاعت اور فروغ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں کثیر الجہت اور نابغ روزگار شخصیت تھے۔ تحقیق، تدوین، مخطوطہ شناسی اور شاعری کے میدانوں میں ان کا رہوارِ قلم تسلسل کے ساتھ خرام آمادہ رہا۔ ان کا مزاج فقیرانہ، طبع درویشانہ اور انداز قلندرانہ تھا۔ انھوں نے ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا سے بے نیاز رہ کر وہ خدمات انجام دیں جن کی مثالیں کم کم نظر آتی ہیں۔ حضرت نذر صابری یکم نومبر ۱۹۲۳ء کو ملتان میں پیدا ہوئے، جہاں اُن کے والدِ گرامی بہ سلسلہ روزگار مقیم تھے۔ جالندھر، اُن کے اجداد کا مرز بوم تھا۔ نذر صابری کا اصل نام غلام محمد تھا۔ چھوٹے بھائی نذر احمد کی جوانا مرگی نے ان پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے اور اس بھائی کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھنے کے لیے انھوں نے اپنا قلمی نام ''نذر صابری'' کر لیا۔ نذر صابری نے ابتدائی تعلیم پنجر نگہ اور بھوگ پور سے حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۴۱ء میں گورنمنٹ ہائی سکول، جالندھر سے پاس کیا۔ ۱۹۴۳ء میں ڈی اے وی کالج، جالندھر سے انٹرمیڈیٹ اور ۱۹۴۵ء میں اسلامیہ کالج، جالندھر سے بی اے کر کے ۱۹۴۷ء میں جامع پنجاب سے ڈی ایل ایس کا امتحان پاس کیا۔ تقسیمِ ہند کے موقعے پر وہ پاکستان آ گئے اور لاہور میں پنجاب پبلک لائبریری سے بہ طور اسسٹنٹ کیٹلاگر وابستہ ہو گئے۔

جنوری ۱۹۴۸ء میں معروف ناول نگار مرزا محمد سعید کے برادر خورد مرزا محمد رشید جو ان دنوں گورنمنٹ کالج کیمبل

پور[حال: اٹک] کے پرنسپل تھے، کے اصرار پر کالج سے بہ طور کتاب دار وابستہ ہوئے اور پھر پوری مدت ملازمت اسی کالج میں گزار کر ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو سبک دوش ہوئے۔

نذر صابری نے جنوری ۱۹۴۸ء کو کیمبل پور[حال: اٹک] کی سرزمین پر قدم رکھا تو علم وادب اور شعر وسخن کی محفلوں میں جیسے زندگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ انھوں نے اس زرخیز اور شاداب علاقے کے گم شدہ علمی آثار کی تلاش وجستجو اور تازہ واردانِ ادب کی تراش خراش کو بہ رضا ورغبت اپنا وظیفۂ حیات ٹھہرا لیا۔ انھوں نے اٹک میں دو علمی وادبی تنظیموں: محفلِ شعر وادب اور مجلسِ نوادرات علمیہ کی داغ بیل ڈالی۔ ان تنظیموں نے ساٹھ سال سے زائد عرصہ حکومتی سرپرستی کے بغیر اور مالی حالات کی ناہمواری کے باوجود علم وادب کی حقیقی خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ان تنظیموں کے رگ وپے میں نذر صابری اور ان کے ایثار پیشہ رفقائے کار کا اخلاص خون بن کر دوڑتا رہا۔ دونوں تنظیموں میں اگرچہ ایک ہی روح موج زن تھی مگر اپنے طریق، انداز اور منشور کے حوالے سے دونوں کا دائرہ کار الگ الگ رہا۔ مجلسِ نوادرات کا دروازہ ماضی کی طرف کھلا۔ اس کا ہدف گم شدہ علمی آثار کی تلاش وجستجو اور انھیں علمی دُنیا سے متعارف کرانا تھا۔ مجلس سے اپنے ہدف کے لیے جو کوششیں کیں، وہ لائقِ تحسین اور قابلِ داد ہیں۔ مجلس نے اٹک میں مخطوطات کی دوشان دار نمائشوں کا اہتمام کیا۔ ان نمائشوں میں ضلع بھر سے نادر الوجود مخطوطات جمع کیے گئے۔ اہلِ علم وفضل نے ان نمائشوں کے انعقاد کو مجلس کا عظیم الشان کارنامہ قرار دیا اور حوصلہ افزائی کی۔ مجلس کی کوششوں سے ولی دکنی کے معاصر اُردو اور فارسی شاعر شاکر اٹکی کا دیوان منظرِ عام پر جلوہ گر ہوا۔

علمائے ادب جیسے ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر سلیم اختر، خورشید احمد خان یوسفی اور ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے مجلس کی اس کارگزاری کو بہ نگاہِ استحسان دیکھا اور اپنی گراں قیمت کتابوں میں اٹک کے اس اولین فارسی اور اُردو شاعر کا ذکر شامل کر کے مجلس کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مجلس کے پلیٹ فارم سے ہی نوادراتِ علمیہ (مخطوطات کی فہرست)، قصۂ مشائخ، غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان، ظواہر، المراۃ فی شرح اسماء المشکلوۃ، انتخاب دیوانِ ظفر احسن، منہج الرشاد لنفع العباد اور دوسرے قیمتی متون لباسِ اشاعت پہن کر سامنے آئے۔ مجلس کی سعی وکاوش سے کشان عہد کا ایک کتبہ جو راجا کنشکا کی پیدائش سے متعلق ہے، پہلی بار علمی دُنیا کے سامنے آیا۔ دوسری تنظیم محفلِ شعر وادب نئے لکھنے والوں کی تعلیم وتہذیب کی طرف متوجہ رہی۔ اس بزم کا علمی وادبی سفر ساٹھ سال سے متجاوز ہے۔ اس طویل عرصے میں محفلِ شعر وادب کے زیرِ اہتمام سیکڑوں مجالس برپا ہوئیں۔ یہ مجالس رنگا رنگی اور تنوع کے ذائقے سے سرشار ہیں۔

نذر صابری کی ذہنی کشادگی اور وسعتِ نظری کے تمام تر رنگ محفل کی ان مجالس میں جگمگ جگمگ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ محفل دین اور ادب کے خوب صورت امتزاج سے آراستہ نظر آتی ہے۔ اسلامی پروگراموں میں ادب کی سرشاری اور ادبی پروگراموں میں دین کی روشنی گھلی ہوئی ہے۔ محفل کا اختصاصی میدان نعت کی مجالس کا انعقاد ہے۔ مجلس

کے زیرِ اہتمام نعت کے طرحی اور غیر طرحی مشاعرے ہی منعقد نہیں ہوئے بلکہ نعت کے موضوعات، فکر اور فن کے حوالوں سے بھی کئی اجلاس، مذاکرے اور محفلیں منعقد ہوئیں۔ فروغ نعت میں محفل کی کارگزاری اپنی مثال آپ ہے۔

مشاعروں، مذاکروں، تنقیدی اجلاسوں اور نعتیہ محفلوں کے ساتھ ساتھ محفلِ شعروادب نے کتابوں کی تعارفی تقریبات، مشاہیر علما وادبا وصوفیہ کے حوالے سے خصوصی نشستوں اور تعزیتی جلسوں کا بھی اہتمام کیا۔ محفل کے یہ مختلف النوع اجلاس رسمی اور عمومی نہیں بلکہ علمی اور ادبی رنگوں کے حامل ہیں۔ بانیِ محفل کی رہنمائی اور فیضانِ نظر ان محفلوں میں وجد وکیف کی ایسی دلآویزی شامل کرتا رہا جو دامنِ فکر ونظر کو بصیرت کے نئے مفاہیم سے آشنا کرتی رہی۔ نذر صابری نے محفلِ شعروادب کے تمام اجلاسوں کی روودادیں جس اہتمام کے ساتھ قلم بند کی ہیں، وہ انھی کا حصہ ہیں۔ یہ روودادیں کئی دفاتر پر مشتمل ہیں۔ محفل کا یہ سارا ریکارڈ علم وعرفان کا ایک ایسا گنجینہ ہے جو معیار ومقدار اور نوعیت وانداز کے اعتبار سے انفرادیت کا حامل ہے۔ محفل کے زیرِ اہتمام کئی کتابیں بھی شائع ہوئیں، جنھیں بازارِ ادب میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

[۳]

نذر صابری کی ہمہ رنگ شخصیت کا سب سے تابناک اور روشن پہلو ان کی نعت گوئی اور نعت شناسی ہے۔ نعت گوئی کا یہ مبارک سفر انھوں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں آغاز کیا اور وہ اپنی وفات [۱۱۔دسمبر ۲۰۱۳ء] تک اس جادۂ نور پر رواں دواں رہے۔ نعت کی تخلیق سے زیادہ وہ نعت کے فروغ میں سرگرم عمل رہے۔ محفلِ شعروادب کا ساٹھ سالہ ریکارڈ نعت اور فروغ نعت کے ساتھ اُن کی غیر معمولی وابستگی اور دل بستگی کا مظہر ہے۔ نام ونمود سے گریز پائی اور شہرت وقبولِ عام سے اجتناب کے باعث وہ اپنے نعتیہ کلام کی اشاعت سے بے نیاز رہے۔ ان کی چند ایک نعتیں ادبی رسائل اور انتخابات کی زینت بنیں اور دوستوں کے پیہم اصرار سے ان کی منتخب نعتوں کا ایک مجموعہ ۱۹۹۳ء میں ''واماندگیِ شوق'' کے نام سے منظرِ عام پر جلوہ گر ہوا۔ ان کا یہ مختصر نعتیہ مجموعہ رسولِ کائنات ﷺ کے ساتھ اُن کی والہانہ شیفتگی اور محبت کا مظہر ہے۔ واماندگیِ شوق اپنے موضوعات کی ندرت اور جذب وشوق کی خوش رنگ تصویروں کا نہایت عمدہ مرقع ہے۔ اس کے مصرع مصرع میں عشق ومحبت اور مؤدت وعقیدت کے وہ رنگ گھلے ہوئے ہیں جن کی تازگی اور تازہ کاری ہوش وگوش کو اپنا اسیر کر لیتی ہے۔

نذر صابری نے حضور علیہ السلام کے اوصاف گرامی کی جاذبیت، آپ کے سراپا کی دل کشی اور سیرت مطہرہ کی دلآویزی کو نہایت ہُنر وری اور چابک دستی سے خوش رنگ لفظوں کے قالب میں اُتار کر نعت کے افق کو وسعت اور ثروت کی دولت بخشی۔ واماندگیِ شوق کی حیثیت ایک صحیفۂ انیقہ اور خزینۂ جواہر کی سی ہے۔ جدید اُردو نعت میں یہ مجموعہ اپنے امتیازات کے باعث ایک گراں قدر اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ رنگ ونور میں ڈھلے اور عشق ومحبت میں رچے چند اشعار بہ طور

ہر کمال حسن و خوبی ختم شد بر روی او
نیست در بازار امکاں ہم ترازوی کسی

نہ خاکیوں کو خبر ہے نہ قدسیوں کو پتا
کمندِ وہم سے بالا مقام کس کا ہے؟

جس کے لیے زوال نہیں، کہنگی نہیں
وہ صبحِ دل کشا ، وہ سویرا تمھی تو ہو

کہاں جمود و تعطّل ہے اُن کی راہوں میں
کہ نقشِ پا بھی وہاں جو ملا، روانہ ملا

ہر ادا میں اُس کی صدیقؓ و علیؓ ڈھلتے گئے
جو بھی پاس آیا وہ پیغمبر نشاں بنتا گیا

ازل سے تا بہ ابد تیری جلوہ پاشی سے
ظہورِ کُن کی یہ بہتی ہوئی ندی روشن

جو ان کے عشق میں آئینہ فام ہو جائے
نصیب اُس کو حضورِ دوام ہو جائے

جس کو رد کر دیں وہی چیز مردُود ٹھہرے
جس کو رعنائی وہ کہہ دیں وہی رعنائی ہو

حضرت نذر صابری کی نعتوں میں حضور علیہ السلام کی سیرت مطہرہ کے کئی واقعات دل کش پیرایۂ بیان میں ڈھلے دکھائی دیتے ہیں لیکن معراج کا واقعہ جس وارفتگی اور جاذبیت کے ساتھ اُن کی نعتوں میں بار بار نمود کرتا ہے، ویسے کوئی اور واقعۂ سیرت نہیں ملتا۔ معراج کی تحیر آفرینی ان کے جذب وشوق کو مہمیز کرتی اور ان کے رہوار تخیل کو نئے اور نادیدہ منظروں سے آشنا کرتی ہے۔ حضرت نذر صابری معراج کے حوالے سے صوفیہ کے مسلک پر کاربند ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک مضمون ''معراج ایک صوفی کی نظر میں'' (۲) میں یہ ثابت کیا کہ واقعۂ معراج کے حوالے سے صحابۂ کرام، محدثین اور اربابِ سیَر میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن صوفیہ کا گروہ ایسا ہے جو معراج کے واقعات میں اتفاق رکھتا ہے۔ ان کے خیال میں صوفی چوں کہ امورِ تشریعی کے بجائے امورِ تکوین کو پیشِ نظر رکھتا ہے، اس لیے وہ واقعاتِ عالم میں اللہ کے مخفی ہاتھ کو سرگرم کار دیکھتا ہے اور کشف کے ذریعے اصل واقعے اور اس کے صحیح محرک کو معلوم کر لیتا ہے۔

نذر صابری نے اپنے اُردو اور فارسی کلام میں واقعۂ معراج کی مختلف جھلکیوں کو اسی صوفیانہ تعلیم کے مطابق پیش کیا ہے۔ وہ صوفیہ کے مسلک کے مطابق معراج کو عالمِ بیداری میں جسمانی سیر خیال کرتے ہیں اور اس کی مختلف منزلوں اقصیٰ، سماوات، سدرہ، دنیٰ، درج اور قوسین وغیرہ میں حضور علیہ السلام کے پڑاؤ اور مختلف انبیا علیہم السلام سے آپ کی ملاقات کو حق سمجھتے ہیں۔ حضرت نذر صابری کے کلامِ اُردو و فارسی میں واقعۂ معراج کن کن رنگوں سے جلوہ گر ہوا، آئینۂ اشعار ذیل میں ملاحظہ کیجیے:

سُست شد بالِ فرشتہ، پست قوسین و دنیٰ
تنگ شد میدانِ عالم از تگا پوی کسی

بعد از رسیدنش بہ نہایاتِ قرب و شوق
رجعت بہ سوی خلق، کمالِ محمد است

افلاک جس پہ دیدۂ حیراں ہیں اب تلک
اسریٰ کے اُس مسافرِ ذی شاں کی بات کر

کونین جس کے سایۂ نعلین میں آ گئے
وہ شہ سوار عرصۂ اسریٰ تھی تو ہو

زہے عروج کہ پاؤں تلے شب اسریٰ
نگاہ طائرِ سدرہ کو آشیانہ ملا

فرازِ عرش سے لوٹے تو راستے میں انھیں
غبارِ راہ میں لپٹا ہوا زمانہ ملا

مقام سدرہ پہ شرما کے رہ گئے جبریل
ورائے عرشِ معلّیٰ خرام کس کا ہے؟

نذر صابری اپنی ایک مستزاد نعت میں واقعۂ معراج کے جمال آفریں اور حیرت آگیں مناظر کو یوں پیش کیا ہے:

منظر جو ترے شوخ اشاروں نے بُنا ہے دیکھا نہ سُنا ہے
اب تک مہ وخورشید پہ بیٹھی ہے تری دھاک اے صاحبِ لولاک

اقصیٰ سے سماوات سے سدرہ سے دنیٰ سے طوبیٰ کی فضا سے
گزرا ہے بتدریج ترا مرکبِ چالاک اے صاحبِ لولاک

''واماندگیِ شوق'' کی بعض نعتیں پوری کی پوری سفرِ معراج کی خوشبو سے مہکتی ہیں۔ان نعتوں میں معراج کے مختلف مقامات ومدارج اور کیفیات واحساسات کو سرمستی اور عاشقانہ وفور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔تخیل کے جھروکوں سے اس مبارک سفر کی جلوہ سامانی کو دیکھنے اور دکھانے کا جتن کیا گیا ہے۔اس نوع کی دو ایک نعتوں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حرا کا چاند پہنچا ہے فلک پر
عرب کی سرزمیں اونچی ہوئی ہے

لبالب بھر گیا ہے ظرفِ امکاں
تجلی اس قدر پھیلی ہوئی ہے

فلک پر بے جھجک یوں جا رہے ہیں
کہ جیسے ہر جگہ دیکھی ہوئی ہے

عجب رقت ہے حورانِ جناں پر
فضا فردوس کی بھیگی ہوئی ہے

نہیں سدرہ ہی اُن کے لطف سے خم
نگوں ہر شاخِ طوبیٰ بھی ہوئی ہے

شبِ معراج کے احوال پڑھ کر
خرد کو چوکڑی بھولی ہوئی ہے

ہوئے ہیں عرش پر بخشش کے وعدے
سحر کی شعلگی ٹھٹھری ہوئی ہے (۳)

سیرِ احوال ومقامات ہے معراج کی رات
نقطۂ اوجِ کمالات ہے معراج کی رات

قطرہ دریا ہے، کلی باغ، ستارہ خورشید
کس قدر رافعِ درجات ہے معراج کی رات

ہر گھڑی آپ کا رہوار ہے مائل بہ عروج
آپ کے واسطے ہر رات ہے معراج کی رات

کون سی بات ہے اس میں جو تحیر کی نہیں
سر بہ سر خارق عادات ہے معراج کی رات

وصل کو ہجر پہ جب تک ہے فضیلت حاصل
بہترینِ ہمہ اوقات ہے معراج کی رات (۴)

[۴]

اُردو میں ''معراج نامہ'' کی روایت کا آغاز فارسی کے تتبع میں ہوا۔ جنوبی ہند میں لکھے گئے معراج نامے اس روایت کے اولین نمونے ہیں۔ اس عہد کے معروف معراج ناموں میں سیّد بلاقی، ہاشمی، معظم، مختار اور شاہ کمال کے معراج نامے شامل ہیں۔ سیّد بلاقی کا معراج نامہ کسی فارسی معراج نامے کا دکنی ترجمہ ہے، بلاقی اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

کیا فارسی کو سو دکھنی غزل
کہ ہر عام ہور خاص سمجھیں سگل

جو سیّد بلاقی نبی کا غلام
قصہ یو کہیا ہے لطف سوں تمام (۵)

بلاقی کے معراج نامے کی زبان سادہ اور رواں دواں ہے اور تکلف و تصنع سے بڑی حد تک پاک۔ اس لیے اس پر ترجمہ کے بجائے طبع زاد تصنیف کا گمان گزرتا ہے۔ یہ معراج نامہ بحرِ متقارب مثمن سالم میں ہے۔ بحر کی خوش آہنگی اور تیز روی بھی قبولِ عام کا ایک سبب قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ اپنے عہد میں بہت مقبول ہوا اور دُنیا بھر کے کتب خانوں جیسے: لندن، حیدر آباد، کراچی اور پیرس میں اس کے خطی نسخے موجود ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب تاریخ ادب اُردو میں اس قبولِ عام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ معراج نامہ محفلِ میلاد کی معاشرتی اور مذہبی ضرورت کے پیشِ نظر تخلیق ہوا اور ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک یہ محافل میں پڑھا جاتا رہا۔ باقر آگاہ (م: ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء) نے ہشت بہشت میں اور شاہ کمال نے اپنے معراج نامے میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (۶)

اسی دور میں معظم کا معراج نامہ تخلیق ہوا۔ معظم، علی عادل شاہ ثانی کے دور کے معروف صوفی اور شاعر ہیں۔ ان کا معراج نامہ بھی بلاقی کے معراج نامے کی بحر میں ہے۔ سکندر عادل شاہ کے دور کے شاعر مختار کا معراج نامہ جو کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہے، دکنی معراج ناموں میں اپنے فکری اور فنی اوصاف کے حوالے سے قابلِ ذکر ہے۔ اس میں مختلف عنوانات باندھے گئے ہیں۔ اس معراج نامے میں واقعات کی صحت کا بھی خیال رکھا گیا ہے اور شاعر نے سیّد بلاقی یا دوسرے شاعروں کی طرح اپنے معراج نامے کو افسانوں اور فرضی روایات سے پاک رکھا ہے۔

شمالی ہند میں قاسم کا معراج نامہ ''زبدۃ الاخبار'' کا شمار اولین معراج ناموں میں ہوتا ہے۔ یہ معراج نامہ ۱۲۰۴ھ کی تصنیف ہے۔ دکنی معراج ناموں کے برعکس یہ معراج نامہ بحرِ رمل مسدس محذوف مقصور میں لکھا گیا ہے۔ یہ بحر بھی اپنی تیز روی کے باعث قصے کی دل چسپی کو برقرار رکھنے میں مددگار رہے۔ قاسم کے علاوہ ضمیر لکھنوی اور امام بخش ناسخ نے بھی معراج نامے لکھے۔ ان تمام معراج ناموں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شعرا نے معراج نامے کے لیے مثنوی کی ہیئت انتخاب کی اور قصے کی دل چسپی کو قائم رکھنے کے لیے اس میں فرضی اور افسانوی واقعات شامل کیے۔ حضرت نذر صابری کا مختصر معراج نامہ، اُردو معراج ناموں کی روایت میں ایک اضافہ ہے۔ اس معراج نامے کا سببِ تخلیق کیا ہے؟ خود صابری صاحب کی زبانی سُنیے:

> ''۱۹۴۱ء کے سرما کی بات ہوگی، درگاہ امام ناصرؒ (جالندھر) کے وسیع احاطہ میں مدرسہ حنفیہ کے زیرِ اہتمام شبِ معراج کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ایک عالمِ دین نے معراج کے اسرار ورموز پر بڑی عمدہ تقریر کی۔ دل بہت متاثر ہوا اور یہ عزم صمیم کیا کہ جلد ایک معراج نامہ لے کر آؤں گا جو تقریر سے حاصل ہونے والے تأثرات کا ترجمان ہوگا، چناں چہ گرمیوں کی لمبی چھٹیوں میں منظومہ تصنیف کر ڈالا۔'' (۷)

معراج نامہ نذر صابری کا سالِ تصنیف ۱۹۴۲ء ہے، اس وقت وہ انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے۔ گھر کی مذہبی فضا، والدِ گرامی صوفی علی بخش کی تربیت اور فارسی کے عرفانی شعرا کے مطالعے کے باعث یہ معراج نامہ کسی مبتدی اور نوآموز شاعر کے بجائے کسی پختہ فکر اور کہنہ مشق شاعر کی تخلیق دکھائی دیتا ہے۔ معراج نامے کے فارسی اشعار کی پختگی اور روانی دیدنی ہے۔ اس کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے نذر صابری رقم طراز ہیں:

> ''۱۹۴۲ء میں جو معراج نامہ کا سالِ تصنیف ہے، میں ڈی اے وی کالج، جالندھر کا سیکنڈ ائیر کا طالب علم تھا۔ ریاضی، تاریخ اور فارسی میرے مضامین تھے۔ فارسی اس سے قبل کبھی میری درسیات میں شامل نہ رہی تھی، لہٰذا مجھے اس

پر زیادہ توجہ دینی پڑی۔ شوق دیرینہ تھا گویا رُکا ہوا سیلاب تھا۔ نصاب کے
علاوہ اور بھی بہت کچھ پڑھ ڈالا اور خاص کر نظامی، خسرو اور جامی کے چند
معراج نامے جواُن کی مثنویوں میں تھے، زیر مطالعہ رہے۔ ان کے فکر وفن سے
بہت متاثر ہوا، چناں چہ اُردو کی بجائے جو زور بیان میرے فارسی اشعار میں
ہے، وہ اُدھر سے ہی آیا ہے۔ میں اوریجنل بہت کم ہوں؛ اس پر شرمندہ نہیں
ہوں، یہ عمر ہی زیادہ تر اوریجنل ہونے کی نہیں ہوتی۔ اساتذہ کا خوشہ چیں اور
تمتع بردار ہوں، میرے کلام میں ان کی زبان وبیان اور فکر وخیال کی
جھلکیوں (Reflections) کا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ جواساتذہ کے
فیض کا منکر ہے وہ اپنا منکر ہے۔'' (۸)

۱۹۴۷ء میں انھیں خالی ہاتھ پاکستان ہجرت کرنا پڑی۔ انھیں اپنی نگارشاتِ نظم ونثر کے جالندھر رہ جانے کا
ملال ہمیشہ رہا۔ پاکستان آکر انھوں نے حافظے کی مدد سے اپنے اشعار دوبارہ لکھے، لطف کی بات کہ معراج نامے کے اکثر
وبیش تر اشعار لکھنے میں وہ کامیاب ہوئے۔ اس کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں ایک بار پھر بہشت (وطن) کو چھوڑنا پڑا۔ یہ
طوفانِ بدتمیزی کچھ اس تیزی سے آیا کہ سنبھلنا محال ہوگیا۔ بدن پر پہنے ہوئے
تین کپڑوں کے سوا گھر سے کچھ نہ لا سکا۔ ذہن پر سب سے بڑا بوجھ یہی اپنی
نگارشات کو ہمراہ نہ لا سکنے کا تھا۔ لاہور میں اپنے تین ماہ کے قیام کے دوران
میں سینکڑوں اشعار کو حافظہ کی مدد سے حیطۂ تحریر میں لانے میں کامیاب ہو
گیا۔ میں اسے تائیدِ ایزدی کہوں گا (ورنہ میرے حافظہ کا یہ حال ہے کہ مجھ سے
اگر کوئی میرا ایک شعر سُننا چاہے تو کم از کم پانچ منٹ کے بعد ہی سُنا سکوں گا)۔
سینکڑوں اشعار حافظہ سے ہمیشہ کے لیے باہر نکل گئے۔ مشیتِ ایزدی نے جن
اشعار کو چاہا، ثابت رکھا اور جن کو چاہا محو کر دیا۔ اگر یہ ردّ وقبول کا عمل تھا تو خوش
ہوں کہ ''معراج نامہ'' قبولیت کے درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔ ایک سو اسی اشعار کا
بالترتیب یاد رہ جانا حافظے کی سحر کاری نہیں تائیدِ خداوندی کی کرشمہ سازی
ہے۔'' (۹)

نذر صابری کا معراج نامہ حضور علیہ السلام کے زمینی سفر کا احاطہ کرتا ہے، اس میں آسمانی سفر اور عالمِ بالا کی منزلوں کا

بیان نہیں۔ وہ اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"یہ نظم جو دراصل آپ کے زمینی سفر کا تذکرہ ہے، مکہ مکرمہ سے شروع ہو کر مسجدِ اقصیٰ پر ختم ہو جاتی ہے اور آسمانی سفر جو سدرہ، جنت و دوزخ، لوح و قلم، عرش و کرسی اور لامکاں کو شامل ہے، اس میں مذکور نہیں۔ تاہم قاب قوسین کا ذکر اور عالمِ بالا کی کچھ تفصیلات اور کیفیات جبریل کی زبانی اظہار پا گئی ہیں۔ "قوسین" کی علما و مشائخ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق تفسیر کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ مقام رویت و قرب و وصول کی حقیقتوں کا جامع ہے۔ لامکان جو اس سفر کی آخری منزل ہے، تعینات کی دُنیا سے باہر ہے؛ یہاں رنگ و بو کی رخصتی اور بے جہتی کا سماں ہے اور اپنی نزاکتوں اور لطافتوں کے اعتبار سے حرف و صوت کی گرفت میں نہیں آتا۔ بیان ہو تو کیسے ہو؟ اس بے کیفی کو دنیا کے کیف و کم کے پیمانوں سے کیوں کر ناپا جائے؟ رومی، سعدی، خسرو، جامی، غالب اور اقبال میں سے کسی نے اس کی منظر کشی کی ہوتی تو اس کو معراج نامہ کا آخری حصّہ بنا دیتا۔ معراج نامہ کے آخر میں "نغمۂ حور بہ معراجِ حضورؐ" کے عنوان سے جن تین نغموں کا اضافہ کیا گیا ہے، وہ بہت بعد کے ہیں۔ پہلے نغمے کو ابتاجیہ کہیے، دوسرے کو استقبالیہ کا نام دے دیں۔ تیسرا نغمہ ایک حور کی خود کلامی ہے جو شدتِ جذبات میں ڈوبی ہوئی ہے اور فلک کی منظر گاہوں سے رخصت ہوتے مہمانِ عزیز کی بے طرح زد میں ہے۔ وہ سارے قدسیوں کی نمائندہ ہے۔ یارِ عزیز کی رخصتی کے لمحات کی تاب کون لا سکتا ہے؟ خدارا مدینہ کے گرد و غبار میں اٹی ہوئی اس کی پیاری چُنریا کو ہمیشہ سلامت رکھے۔" (۱۰)

نذر صابری کا معراج نامہ اپنی بُنت اور تکنیک میں عام معراج ناموں سے کسی قدر مختلف ہے۔ اس میں سارا قصہ کسی ایک بحر میں بیان نہیں ہوا بلکہ قصے کے مختلف اجزا مختلف بحروں میں پیش کیے گئے ہیں۔ ابتدا کے پچپن اشعار بعض دوسرے معراج ناموں کی طرح بحرِ متقارب مثمن سالم میں ہے۔ یہ سب اشعار اُردو میں ہیں اور ان میں جبرائیل علیہ السلام بہ حکمِ ایزدی براق لے کر حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ آپ محوِ استراحت ہیں۔ جبرائیل انھیں بیدار کر کے اللہ کا پیغام دیتے ہیں اور سفرِ علوی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ اس حصے کی ابتدا اس حکمِ الٰہی سے ہوتی ہے کہ جبرائیل راہوار انور

(براق) لے کر جائیں۔ یہاں شاعر نے براق کے اوصاف کو بایں طور ذکر کیا ہے:

سبک پا، سمن بر، بدن صبح خنداں
مہک مشکِ نافہ تو قامت گلستاں

غبار قدم، کہکشانِ ہلالی
گلے میں ثریا سی عقدِ لآلی

قصا بک روش ہو، غزالی نگاہیں
ادائیں وہ شیریں، حسد لے بلائیں

مزین، مرصع، مکلل، معنبر
بہر طور شایانِ شانِ پیمبر

مزاج اس کا نابردہ رنجِ عناں ہو
کمر پر نہ راکب کا کوئی نشاں ہو

شمائل میں، رفتار میں، جسم وجاں میں
برابر نہ ہو اس کا دونوں جہاں میں (۱۱)

جبرائیل علیہ السلام جب براق لے کر مکہ مکرمہ پہنچے تو حضور علیہ السلام سو رہے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام کا آپ کو بیدار کرنے کا انداز شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

پروں کو کبھی مورچھل کر رہا تھا
کبھی شہ کے پاؤں تلے دھر رہا تھا

جگایا اس انداز سے شاہِ دیں کو
جگائے صبا جس طرح یاسمیں کو(۱۲)

حضور علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو جبرائیل سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ جبرائیل نے آپ کو اللہ کا پیغام دیا اور آسمانوں پر ہونے والے انتظامات اور کارِ عالم کو اس جشنِ خاص تک معطل کرنے کا ذکر کیا۔ شاعر نے نہایت چابک دستی اور فنی مہارت کے ساتھ جبرائیل علیہ السلام کے اس جواب کو کئی اشعار میں بیان کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

کہا اے خبردارِ رازِ نہانی
کہوں کیا فلک پر ہے کیا شادمانی

بکف چنگ زہرہ، ثریا خراماں
قمر مشعلِ رہ، ستارے چراغاں

فلک آپ کی خاطر آراستہ ہیں
ملک شوق میں قلب وجاں باختہ ہیں

بجز جشنِ تقریبِ سرکارِ عالم
ہے معزول ہونے کو ہر کارِ عالم

نہ موجیں اٹھیں گی نہ دریا بہیں گے
نہ گردش میں خورشید وانجم رہیں گے

سبھی صورتیں جذبی، حسی، خیالی
سبھی جنبشیں فاعلی، انفعالی

سبھی حرکتیں اضطراری، ارادی
ادائیں سبھی سہوی، فطری و عادی

جہانِ بشر کی ہیں سو جانے والی
جمود و تعطّل میں کھو جانے والی

گراں خوابیِ ہوش چھانے کو ہے اب
کہ روحِ جہاں عرش جانے کو ہے اب (۱۳)

معراج نامے کا اگلا حصّہ حضور علیہ السلام کی تیاری اور شکرانے کے طور پر اللہ جل شانہٗ کی حمد کو محیط ہے۔ چھیالیس اشعار پر مشتمل اس حصے کا صرف ایک شعر اُردو میں ہے باقی پینتالیس اشعار فارسی میں ہیں۔ یہ حصہ بحرِ رمل مسدس مقصورہ محذوف میں ہے۔ اس حصّے میں رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے بیان کردہ حمدِ خدا ایک طرح سے ان عنایات کا شکرانہ ہے جن سے حضور علیہ السلام کو نوازا گیا ہے؛ یوں تحدیثِ نعمت کے طور پر ان اوصاف و کمالات کا ذکر بھی آ گیا ہے، جن سے حضور علیہ السلام متصف تھے؛ چند اشعار دیکھیے:

اے ہمہ حسن و کمال از بودِ تو
آفتابی، ماہ و انجم جودِ تو

از وجودت جملگی را مایہ
وز صفاتت خلق را پیرایہ

عکسِ کامل بر سرم انداختی
با نہایاتِ کرم بنواختی

در ازل اعزاز نور اولیں
تا ابد توقیعِ ختم المرسلیں

باعثِ تخلیقِ عالم گفتہ
دُرِ لولاکی بہ زلفم سفتہ(۱۴)

معراج نامے کا اگلا حصہ بھی حضور علیہ السلام کی تیاری اور حضرت جبرائیل سے آپ کے مکالمے پر مشتمل ہے۔ یہ اُردو اور فارسی کے اشعار بھی بحرِ رمل مسدس محذوفہ مقصور میں ہیں۔ اس کے بعد کا حصہ براق پر حضور علیہ السلام کی سواری کے ذکر سے مزین ہے۔ یہ حصہ بحرِ متقارب دوازدہ رکنی میں ہے۔ حضور علیہ السلام کی سواری شام کے نخلستانوں اور وادیٔ ایمن وطور سے گزرتی ہے تو مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ جس طرح قوالی میں گرہیں لگا کر قوال وجد و مستی کی کیفیت پیدا کرتا ہے اسی طرح معراج نامے کا یہ حصّہ اسی انداز کا حامل ہے۔ یہ حصہ اپنی ندرت کے باعث معراج نامے کو نیا رنگ وآہنگ عطا کرتا ہے:

وہی وہی ہے، وہی وہی ہے
وہی وہی ہے، وہی وہی ہے

اِک لمحہ پہلے طور پہ یکسر سکوت تھا
گویا مآلِ نخلِ کلیم کا ثبوت تھا

راہِ دراز صبر و تحمل سے تنگ آ
عاشق تھا کوئی زار وزبوں راہ میں پڑا

جب سے جلا تھا آتشِ حسنِ غیور میں
سکتہ تھا، خامشی تھی، تحیر تھا طور میں

پہنچے وہاں جو شاہ عرب، سرورِ عجم
ذرّات میں تھیں چار سُو سرگوشیاں بہم

کہتا تھا ایک دوسرے سے جانتا ہے تو
یہ کون ہے بھلا؟ انھیں پہچانتا ہے تُو

رہوار تو پروردۂ فردوسِ بریں ہے
موکب میں رواں حضرت جبریلِ امیں ہے

وہ شخص کہ ہیں جس کی سحر رنگ جبیں پر
گُچھ غادیۂ طرۂ مشکین و معنبر

رحمت کا سراپا ہے تو لولاک کا سہرا
ہے رات اگر زلف تو پھر چاند ہے چہرا

اس شان کا بندہ کوئی دیکھا نہ سُنا ہے
کہتی ہیں ادائیں کہ یہ محبوبِ خدا ہے

وہی وہی ہے، وہی وہی ہے
وہی وہی ہے، وہی وہی ہے(۱۵)

اس سے اگلا حصہ بحرِ رمل مثمن محذوفہ مقصور میں ہے۔اس میں حضور علیہ السلام مسجدِ اقصیٰ پہنچتے ہیں اور صفِ انبیا ان کے استقبال کو آگے بڑھتی ہے۔مولانا جامی کے اس شعر پر یہ معراج نامہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے:

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

معراج نامہ کے آخر میں ''نغمہ، حور بہ معراجِ حضورﷺ'' کے عنوان سے تین نغمے شامل ہیں۔یہ نغمے غزل کی ہیئت

میں ہیں۔ پہلا نغمہ جسے ابتاجیہ کہا گیا فارسی میں ہے۔ یہ نغمہ بحر رمل مسدس محذوفہ مقصور ہے:

نور سوئے نوریاں آید ہمی
افتخار انس وجاں آید ہمی

دوسرا نغمہ مستزاد کی ہیئت میں ہے، اس نغمے کو شاعر نے استقبالیہ کا نام دیا ہے:

تاراج کیا جس نے کبھی دام کلیمی وہ نور قدیمی
مانوس ہوا رنگِ تماشا سے ترے آج اے صاحبِ معراج

تیسرا اور آخری نغمہ ایک حور کے جذب و کیف کا اظہار ہے۔ یہ حور کی خود کلامی ہے۔ مہمانِ عزیز کے تشریف لانے اور رخصت ہونے کی کیفیت میں اس کی خود کلامی جس آہنگ میں ڈھلتی ہے، وہ دل کش بھی ہے اور غم انگیز بھی۔ اس نغمۂ لافانی کے چند شعر ہدیہ قارئین ہیں:

افلاک کی یخ بستہ و بے رنگ فضا میں
بجتا ہوا جذبوں کا گجر کیسا لگے گا

پڑ جائے اگر مجھ پہ نظر کیسی لگوں گی
گر جائے جو قدموں میں یہ سر کیسا لگے گا

جی میں ہے کہ ساتھ اُن کے چلی جاؤں یہاں سے
ہو اُن کی گلی میں مرا گھر کیسا لگے گا

اوڑھوں کی غبار رہ بطحا کی چنریا
اس رنگ میں طے ہو جو سفر کیسا لگے گا(۱۶)

نذرِ صابری کا معراج نامہ اختصار اور اجمال کے باوجود معراج ناموں کی روایت میں ایک نادر اضافہ ہے۔اس کی سطر سطر میں جذب وکیف کی ایسی منفرد کیفیتیں گندھی ہوئی ہیں جو شاعر کی رسول خداﷺ سے محبت اور وابستگی کی غماز ہیں۔اُردو اور فارسی کی باہم پیوستگی اور مختلف بحور کے تال میل نے اس معراج نامے کو جاذبیت کا مرقع بنا دیا ہے۔موضوعات کی ندرت، تشبیہات کے تجمل اور لفظیات کی خوش آہنگی نے اسے سحرکاری کا وصف عطا کر دیا ہے، جو پڑھنے سُننے والوں کی توجہ کو اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتا۔

حوالہ جات:

(۱) سیرۃ النبیؐ (جلد سوم)؛ اسلام آباد؛ نیشنل بک فاؤنڈیشن؛ نومبر ۲۰۱۵ء؛ ص ۲۷۳۔

(۲) ''معراج ایک صوفی کی نظر میں'' مشمولہ: قندیلِ سلیماں؛ مکھڈ شریف؛ نظامیہ دارالاشاعت؛ شمارہ ۱۴، اپریل تا جون ۲۰۱۷ء۔

(۳) واماندگیِ شوق: اٹک؛ محفلِ شعر و ادب؛ ۱۹۹۳ء؛ ص ۵۶،۵۵۔

(۴) ایضاً: ص ۱۸۔

(۵) بہ حوالہ: دکن میں اُردو (نصیرالدین ہاشمی): نئی دلی؛ ترقیِ اُردو بیورو؛ ۱۹۸۵ء؛ ص ۱۳۳،

(۶) تاریخِ ادبِ اُردو (ج: اوّل)؛ لاہور؛ مجلسِ ترقیِ ادب؛ اوّل، ۱۹۷۵ء؛ ص ۴۹۳۔

(۷) ''دیباچہ'' مشمولہ: معراج نامہ: اٹک؛ ادارہ فروغ تجلیاتِ صابریہ؛ دوم، اگست ۲۰۱۳ء؛ ص ۷۔

(۸) ایضاً: ص ۹،۸۔

(۹) ایضاً: ص ۸،۷۔

(۱۰) ایضاً: ص ۹۔

(۱۱) معراج نامہ: ص ۱۲،۱۱۔

(۱۲) ایضاً: ص ۱۳۔

(۱۳) ایضاً: ص ۱۶،۱۵،۱۴۔

(۱۴) ایضاً: ص ۲۳،۲۲۔

(۱۵) ایضاً: ۴۱،۴۰،۳۹۔

(۱۶) ایضاً: ص ۴۶،۴۵۔

☆☆☆☆

محمد اسد کے ''دا میسج آف دا قرآن'' کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد سلطان شاہ☆ /

ڈاکٹر حافظ محمد خورشید احمد قادری☆

انگریزی زبان میں لکھنے والے بیسویں صدی کے مسلم مفکرین میں محمد اسد کا نام بہت نمایاں ہے۔آپ کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں جیسے کہ آپ صحافی، سیاح، ناقد، ماہرِ لسانیات، مفکر، مصلح، سفارت کار، سیاسی نظریہ کار اور مترجم تھے۔لمبرگ کے شہر لواق گلیشیاء میں آپ جولائی ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔[1] (یہ شہر اب یوکرائن کا حصہ ہے لیکن اس وقت یہ سلطنت آسٹریا میں تھا)۔

ربیوں کے خاندان میں پیدا ہونے والے اس بچے کا پیدائشی نام لیوپولڈ ویس (Leopold Weiss) تھا۔آپ کے والد صاحب نے مذہبی خدمت کو اپنانے کے بجائے وکیل بننا پسند کیا لیکن اسد نے خاندانی روایات کے مطابق یہودیت کی مکمل تعلیم حاصل کی۔کم سنی میں ہی اسد نے عبرانی اور آرامی زبانوں میں مہارت پیدا کر لی تھی۔عہد نامہ عتیق کا عبرانی زبان میں مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے تالمود (Talmud) کے متن اور تشریحات ''مشنا'' (Mishna) اور ''جمارا'' (Gemara) کا بھی مطالعہ کیا۔اسد نے بائبل کی شرح ''ترجُم''[2] کی تفصیلات سے بھی آگاہی حاصل کی۔آپ کے خاندان نے ''ویانا'' میں سکونت اختیار کی تو چودہ سالہ لیوپولڈ نے اسکول سے بھاگ کر پہلی جنگ عظیم میں حصہ لینے کے لیے آسٹریا کی فوج میں بھرتی ہونے کی ناکام کوشش کی۔آسٹروی سلطنت کے زوال کا شکار ہو جانے کی وجہ سے آپ فوجی خدمت سے محروم رہے۔[3]

جنگ کے بعد اسد نے ویانا یونی ورسٹی میں فلسفہ اور تاریخ فنون کے مضامین میں داخلہ لیا لیکن جب ان مضامین کی تعلیم آپ کی روحانی پیاس بجھانے میں ناکام رہی تو آپ نے یونی ورسٹی کو خیر باد کہہ دیا۔[4] ویانا سے اسد نے ۱۹۲۰ء میں وسطی یورپ کا سفر کیا جہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہوئے آپ برلن پہنچے۔یہاں آپ نے بڑی ہنر مندی سے میدانِ صحافت میں قدم رکھا۔مستقل مزاجی کی بدولت ایک اہم خبر آپ کے ہاتھ لگی کہ میکسم گورکی Miksim Gorky)،۱۸۶۸ـ۱۹۳۶ء) کی رفیقۂ حیات برلن میں موجود ہیں تاکہ مغربی ممالک سے روس میں پھوٹ پڑنے والی

☆ صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور

قحط سالی پر قابو پانے کے لیے خفیہ طریقے سے مدد حاصل کر سکیں۔اپنی عمر کے دیگر نوجوانوں کی طرح لیوپولڈ بھی عداوت کے جذبات میں بہت شدید تھے، یہودیت کی بہت گہری مذہبی تعلیم کے باوجود وہ یہودیت سے کچھ پرے ہٹ گئے۔آپ نے یورپ کو ۱۹۲۲ء میں خیر باد کہا اور مشرق وسطیٰ چلے آئے؛ جہاں عربوں سے تعارف شناسائی میں تبدیل ہو گیا۔اس نکتہ پر آپ کا دل بہت مطمئن ہوا کہ اسلام نے یہاں کے باسیوں کی روزمرہ زندگی کو حقیقی معنوں میں روحانی قوت اور دلی سکون عطا فرمایا ہے۔ناقابلِ یقین طور پر ۲۲ سال کی ناتجربہ کار عمر میں لیوپولڈ جرمنی اور یورپ کے اعلیٰ ترین اخباروں میں سے ایک ''فرینک فرٹرزی تنگ'' (Frankfurter Zeitung) کے نامہ نگار مقرر ہو گئے۔ایک صحافی کے طور پر آپ کو بہت زیادہ سفر کے مواقع میسر آئے۔ان اسفار میں آپ نہ صرف عام لوگوں کے ساتھ گھل مل گئے بلکہ مسلم اشرافیہ سے بھی تبادلۂ خیالات کیا۔علاقے کی بہت سی ریاستوں جیسا کہ صحرائے لیبیا سے پامیر کی برف پوش چوٹیوں تک، آبنائے باسفورس سے بحیرۂ عرب تک، فلسطین، مصر، اُردن، شام، عراق، ایران اور افغانستان تک کے حکمرانوں سے بھی آپ کی ملاقات رہی۔[۵]

قیام برلن کے دوران ۱۹۲۶ء میں لیوپولڈ ویس نے قبول اسلام کا اعلان کیا اور محمد اسد نام اختیار کیا۔[۶] اسد کے نزدیک اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ایک جگہ آپ نے لکھا ہے کہ:

''میری نگاہ میں اسلام ایک کامل نظام زندگی ہے۔اس کے تمام اجزا ایک دوسرے کی تکمیل اور تائید کرتے ہیں۔اس میں کسی چیز کی کمی ہے اور نا ہی کوئی چیز غیر ضروری ہے۔نتیجہ کے طور پر ایک متوازن اور ٹھوس خاکہ سامنے آتا ہے۔''[۷]

اسد نے قریباً چھ سال کا عرصہ عرب میں گزارا جہاں سعودی عرب کے بانی شاہ عبدالعزیز (۱۸۷۵ء۔۱۹۵۳ء) نے گرم جوشی سے آپ کا استقبال کیا۔آپ نے ایک لمبا عرصہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس شہروں میں عربی زبان و ادب، قرآن کریم، علم الحدیث اور اسلامی تاریخ کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے گزارا۔حصولِ تعلیم کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے:

''ان کمزوریوں کے باوجود جو مسلمانوں کے عمل کا حصہ بن چکی ہیں، یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ اسلام روحانی اور معاشرتی اعتبار سے انسانیت کو راہِ ترقی پر گامزن رکھنے والی سب سے بڑی قوت ہے۔اس وقت سے ان کی تمام تر توجہ اس مسئلہ پر مرکوز ہے کہ راہِ ترقی پر گامزن رکھنے والی اس قوت کو کیسے دوبارہ زندہ کیا جائے۔قدیم عربی کا کتابی علم دو ہم مزاج سامی زبانوں ___ عبرانی اور آرامی ___ سے واقفیت کی بدولت نسبتاً آسان ثابت ہوا۔عربی زبان سیکھنے کا عمل، عرب دنیا میں اسد کے اسفار اور صحرائے عرب کے اصل باشندوں ___ بدوؤں ___ کے ساتھ میل ملاپ سے، مزید تیز ہوا۔[۸]

مسلمان معاشروں اور ثقافتوں کے مزید مطالعے کی غرض سے اسد نے مشرقی ممالک جیسے کہ ہندوستان، مشرقی ترکستان، چین اور انڈونیشیا کے سفر کے لیے ۱۹۳۲ء میں سرزمین عرب کو خیر باد کہہ دیا۔ ہند میں اسد کی ملاقات اپنے زمانے کے عظیم مسلمان فلسفی، شاعر اور مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء) سے ہوئی۔ اقبال نے اصرار کیا کہ اسد اپنے منصوبے پر نظرِ ثانی کریں اور ہند میں اپنے قیام کو یقینی بنائیں تا کہ وہ مستقبل قریب میں وجود پذیر ہونے والی اسلامی ریاست ____ جو اس وقت شاعر کے خواب سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی ____ کے لیے فکری لائحہ عمل مہیا کر سکیں۔ بہت جلد اسد نے نہ صرف اقبال کے دل میں جگہ بنالی بلکہ مسلمانانِ عالم کے مسائل پر ایک جاندار تحریر کی اشاعت سے تعلیم یافتہ مسلم حلقوں میں بھی متعارف ہوگئے۔ دوسری جنگِ عظیم کے شروع ہونے پر ۱۹۳۹ء میں اسد کی آزادی چھین لی گئی۔ جرمنی نے ۱۹۳۸ء میں جب آسٹریا پر قبضہ کرلیا تو اسد نے نازی جرمنی سے پاسپورٹ لینے سے انکار کر دیا اور اپنی آسٹروی شہریت برقرار رکھنے پر اصرار کیا لیکن ستم ظریفی یہ ہوئی کہ انگریز حکومت نے جنگ کے دوسرے ہی دن دشمن ملک کا شہری ہونے کے سبب اسد کو گرفتار کرلیا اور جنگ عظیم دوم کے اختتام (۱۹۴۵ء) تک رہا نہیں کیا۔۹

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں اسد پاکستان آگئے تو حکومت نے نوزائیدہ مملکت کی نظریاتی بنیادوں کو استوار کرنے کے لیے اسلامی علوم کی تشکیل جدید کا شعبہ (Department of Islamic Reconstruction) قائم کرنے کی ذمہ داری آپ کو سونپی۔ قرارداد مقاصد کو معرضِ تحریر میں لانے کا سہرا آپ کے سر سجایا جاتا ہے جو اب تک دستورِ پاکستان کے دیباچے کے طور پر موجود ہے۔ بعدازاں شعبۂ مشرق وسطیٰ کے صدر کی حیثیت سے آپ کی خدمات وزارتِ خارجہ کی سپرد کر دی گئیں۔ جہاں آپ نے مسلم ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کی مضبوطی کے لیے اَن تھک کوششیں کیں۔ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد آپ نے سفارتی میدان چھوڑ دیا۔ اپنی سوانح حیات لکھنے کی غرض سے آپ نے پاکستان کی وزارت خارجہ سے ۱۹۵۲ء میں استعفیٰ دے دیا۔ اسد کی یہ خودنوشت سوانح دل کش تحریر، متاثر کن طرز بیان، معصومانہ حسن اور ادب عالیہ کا عمدہ نمونہ ہے۔۱۰ اسد ۱۹۵۵ء میں نیویارک سے سپین منتقل ہوگئے۔ آپ ۲۳ فروری ۱۹۹۲ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تو قرطبہ کے مسلم قبرستان میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔۱۱

محمد اسد کی درج ذیل کتب اشاعت پذیر ہو چکی ہیں:

۱۔ "The Unromantic East" (غیر رومانوی مشرق) یہ جرمن زبان میں ہے۔

۲۔ "The Road to Mecca" (مکہ کی طرف سفر)

۳۔ "The Message of the Qur 'an" (قرآن کا پیغام)

۴۔ "Sahih al-Bukhari The Early Years of Islam" (صحیح بخاری، انگریزی

۵۔ "This Law of Ours and Other Essays"(ہمارا یہ قانون اور دیگر مضامین)

۶۔ "Islam at the Crossroads "(اسلام ایک چوراہے پر)

۷۔ "The Principles of State and Government in Islam"(ریاست اور حکومت کے اسلامی اصول)

۸۔ "Islamic Culture"(مدیر سہ ماہی "اسلامک کلچر") حیدرآباد، جنوری ۱۹۳۷۔۱۹۳۸ء

۹۔ مدیر ماہ نامہ "عرفات" لاہور ۴۶۔۱۹۴۵ء

زیر نظر مضمون میں علامہ محمد اسد کے انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن مجید پر تفصیلاً روشنی ڈالی گئی ہے۔

پیش لفظ

زیادہ تر مترجمینِ قرآنِ حکیم اس وضاحت سے بات کا آغاز کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ ترجمہ کیوں کیا؟ اپنے ترجمۂ قرآن کی ضرورت واہمیت ثابت کرنے کے لیے اسد کی پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو کسی یورپی زبان میں اس ڈھب سے کبھی پیش نہیں کیا گیا جس سے اس کی بلاغت سامنے آسکے۔[۱۲]

اسد کے اس بیان پر کینتھ کریگ (Kenneth Cragg) نے تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس دلیل کو درست مان لیا جائے تو اسد کا کام بھی قابلِ لحاظ نہیں رہتا۔[۱۳]

اسد نے مترجمینِ قرآن کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

اوّل: وہ مترجمین ــــ مسلم یا غیر مسلم ــــ جنھوں نے صرف نصابی کتب کے ذریعے عربی زبان سیکھی۔ ان علما میں سے کوئی بھی ــــ اپنے تبحر علمی کے باوجود ــــ عربی زبان کو اپنی مادری زبان کی طرح نہیں جانتا۔[۱۴]

اسد کی رائے کے مطابق اس طرح کے طالبِ علم کی قواعد میں مہارت اور ادبِ قرآنی سے واقفیت ترجمۂ قرآنِ کریم کے لیے کافی صلاحیت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک پڑھا لکھا عرب عہدِ طفولیت سے ہی ماحول کے زیر اثر خود بخود زبان کو سمجھنے کی صلاحیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کے اعجازی پہلو سے بھی آگاہ ہو جاتا ہے۔[۱۵]

یہ نعمت شہروں میں بسنے والے جدید دور کے عربوں کو میسر نہیں جن کی روزمرہ کی گفتگو کافی حد تک بیرونی الفاظ سے آلودہ ہونے کی وجہ سے خالص عربی سے دور ہو چکی ہے۔ اسد دعویٰ کرتا ہے کہ صرف جزیرہ نمائے عرب کے بدو ــــ خاص طور پر وسطی اور مشرقی عرب کے مقامی لوگ ــــ (جہاں اسد نے خود بھی دس سال گزارے) عربی کے قدیم لہجے کے حامل ہیں۔

ایک جائزہ نگار (Hanna E. Kassis) نے اسد کی دلیل پر سوال اُٹھایا ہے۔

ترجمہ نگاری کا پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ ترجمہ نگار کو اس زبان سے پیدائشی واقفیت ہونی چاہیے، جس میں ترجمہ مقصود ہے۔ اس بات میں تو دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ ترجمہ کیے جانے والے متن سے اُسے ماہرانہ آگاہی حاصل ہو۔ عربی سے انگریزی ترجمہ کے لیے عربی متن کے مکمل عرفان کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان سے گہری واقفیت بھی مطلوب ہے۔

دوسری بات یہ کہ تبصرہ نگار کے مطابق بدوؤں کی عربی کے اعلیٰ معیار کو خواہ مخواہ، نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ قرآن کریم کا ذخیرۂ الفاظ تو رسول کریم ﷺ کے زمانۂ اطہر میں موجود جزیرہ نمائے عرب کے تجارتی مراکز سے لیا گیا۔ بدوی علاقوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ دلیل کہ بدوی عربوں نے منفرد انداز میں قریش کی خالص عربی زبان کے احساس اور معانی کی لطافتوں کو محفوظ کیا، بدوی عربوں کی زبان سے دلیل لانے کے لیے کافی نہیں ہے۔

تیسری بات یہ کہ تبصرہ نگار مترجم کے پیش کردہ عربی کی فصاحت کے نظریے کو قبول نہیں کرسکتی۔ مترجم نے یہ بات اپنے کچھ مخالفین کے سامنے بڑے حوصلے سے کہی ہے کہ عربی کا شمار سامی زبانوں میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ ''عربی وہ واحد زبان ہے جو مکمل طور پر تبدیلی سے محفوظ ہے'' ایک اختلافی رائے ہے اور سارے دلائل اس کے حق میں نہیں جاتے۔ مترجم کے دلائل کو قبول کرنے کا مطلب اس بے بنیاد مفروضے کو ماننا ہے کہ کلام مجید کے معانی (ان صلاحیتوں کی موجودگی میں جو مؤلف نے لکھی ہیں) دوسروں کی نسبت ایک عرب کو جلدی سمجھ میں آ جائیں گے۔[16]

جوہن ہیوڈ (John Haywood) نے اسد کو آٹھ صفحات پر مشتمل پیش لفظ حوالۂ قرطاس کرنے پر مبارک باد دی ہے کہ اس نے ترجمۂ قرآن کے مسئلے کو بڑے پُر لطف تجزیہ کے ذریعے بیان کیا ہے۔[17]

دا میسج آف دا قرآن کے مصادر و مراجع

محمد اسد کے تبحرِ علمی کا یہ عالم تھا کہ وہ حدیث، سیرت، تفسیر، تاریخ اور فقہ کی امہات الکتب سے استفادہ کر سکتے تھے۔ مغربی زبانوں میں قرآنِ کریم کے مترجمین میں سے محمد اسد عربی زبان میں مہارت کے حوالہ سے منفرد مقام رکھتے تھے۔ ''حوالے کی کتب'' (Works of Reference) کے زیرِ عنوان آپ نے ان کتب کے نام لکھے ہیں جو تفسیری نکات لکھتے وقت آپ کے سامنے رہیں۔[18]

کتبِ حدیث میں آپ نے کتبِ صحاحِ ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابنِ ماجہ کے حوالے دیے ہیں۔ حدیث کی دیگر کتب جیسے کہ حضرت امام مالک کی الموطأ، امام احمد بن حنبل کی المسند، بیہقی کی کتاب السنن، دارمی اور دارِ قطنی کی کتب، امام حاکم کی مستدرک اور ابن حجر العسقلانی کی فتح الباری بھی آپ کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ جن عربی تفاسیر کے حوالے آپ نے دیے ہیں ان میں زمخشری، بغوی، بیضاوی، رازی، طبری، ابنِ تیمیہ اور محمد رشید رضا

(۱۸۶۵ء۔۱۹۳۵ء) کی تفاسیر شامل ہیں۔علوم القرآن کے حوالہ سے آپ کا انحصار امام سیوطی کی ''الاتقان فی علوم القرآن'' پر رہا۔سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کے حوالہ سے آپ نے واقدی کی کتاب المغازی اور سیرت ابن ہشام سے استفادہ کیا۔علم التاریخ کے لیے آپ نے ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن سعد کی طرف رجوع کیا۔لغوی مباحث کے لیے آپ کا انحصار مرتضیٰ الزبیدی کی تاج العروس، علامہ راغب اصفہانی کی مفردات، مجدالدین الفیروزآبادی کی القاموس، جوہری کی تاج اللغۃ اور ابنِ منظور الافریقی کی لسان العرب پر رہا۔ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱ء۔۱۸۷۶ء) کی عربی انگریزی لغت (An Arabic- English Lexicon) سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔فقہی مباحث کے لیے آپ کا اعتماد بدایۃ المجتہد، محلی اور مغنی پر رہا۔

عربی الفاظ کے لغوی معانی

محمد اسد عربی الفاظ کے حقیقی معانی اور اس کی مختلف جہتوں تک رسائی کے لیے پوری کوشش کرتے ہیں۔پھر سیاق وسباق کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب ترین انگریزی لفظ کو اپنے ترجمۂ قرآن میں استعمال کرتے ہیں۔آپ (مذکورہ بالا) عربی کی مشہور لغات جیسے کہ القاموس، مفردات القرآن، لسان العرب اور تاج العروس سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ بہت سے الفاظ کی تشریح کے لیے آپ کا انحصار کتبِ حدیث وتفسیر پر ہے۔کچھ قرآنی الفاظ کی وضاحت کے لیے آپ مشہور ماہرینِ لسانیات کا حوالہ دیتے ہیں جیسے کہ ابن عباس، مجاہد، سعید، ابن جبیر، عکرمہ، قتادہ اور ضحاک۔مثال کے طور پر آپ نے سورۃ البقرۃ کی ایک آیتِ مبارکہ ''هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُم مَّا فِى الاَرْضِ جَمِيْعاً ثُمَّ اسْتَوىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ'' (۲:۲۹) میں لفظ ''سماء'' کی وضاحت بایں الفاظ کی ہے:

''لفظ ''سماء'' یا ''آسمان'' اس چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو ایک چھتری کی طرح کسی چیز پر پھیل جائے۔ اس طرح نظر آنے والے آسمان جو ایک محرابی چھت کی طرح تنے ہوئے ہیں، یہ ایک چھتری بناتے ہیں تو انھیں ''سماء'' کہا جاتا ہے۔قرآن کریم میں یہ ابتدائی معنی پایا جاتا ہے۔وسیع تر تناظر میں اس کا تعلق سماوی نظام کے ساتھ ہے۔ جہاں تک سات آسمانوں کا تعلق ہے، یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ نا صرف عربی بلکہ بظاہر دوسری سامی زبانوں میں بھی ''سات'' کا ہندسہ ''بہت سے'' کا ہم معنی ہے (دیکھیے لسان العرب)۔بالکل ایسے ہی ''ستر'' یا ''سات سو'' کے بھی اکثر معنی ''کئی'' یا ''بہت سے'' لیے جاتے ہیں (تاج العروس)۔اس بات کو مسلمہ لغوی تعریف کے مطابق بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ ''ہر آسمان اس اعتبار سے آسمان ہے کہ اس کے نیچے کیا ہے (راغب)۔اس طرح سات آسمانوں کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ان سے مراد سماوی نظام کا تہہ در تہہ ہونا ہے۔''[19]

اسد نے کچھ قرآنی الفاظ کی وضاحت احادیث کے حوالہ سے کی ہے جیسا کہ آیۂ مبارکہ ''وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَن تَسْتَقْسِمُوْا بِالاَزْلَامِ'' (سورۃ المائدہ، ۵:۳) میں لفظ ''نُصُب'' کی وضاحت یوں کی ہے۔

''زمانہ قبل از اسلام میں 'نُـصُـب'' (واحد: نصیبۃ) قربان گاہ کے پتھر تھے جنھیں کعبۃ اللہ کے ارد گرد رکھا جاتا، جہاں مشرکین قریش اپنے جھوٹے خداؤں کے لیے جانوروں کی قربانیاں کیا کرتے۔ تاہم زید ابن عمرو بن نفیل (بخاری) کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف قربانی کے جانور ہی نہیں بلکہ وہ جانور بھی یہاں قربان کیے جاتے جنھیں اجتماعی برکت کے حصول کے لیے مخصوص کرلیا جاتا۔ (دیکھیے فتح الباری ۷: ۱۱۳) کچھ ماہرین لسانیات کی رائے ہے ''نُصُب'' واحد اور جمع ''انصاب'' ہے۔ دونوں طرح لفظ کا تعلق ان تمام رسومات سے ہے، جن کو ''بت پرستانہ'' کہا جاسکتا ہے اور اس کو صرف اس کے لفظی معنی تک محدود نہیں رکھنا چاہیے۔ [۲۰]

اسی آیہ مبارکہ میں تَسْتَقْسِمُوا بِالْاَزْلَامِ (المائدہ، ۵: ۳) کی وضاحت ایڈورڈ ولیم لین کے حوالہ سے کی ہے، جس نے لکھا ہے:

''تیروں کے پھینکنے سے مستقبل کے حالات جاننا'' لین کے مطابق، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوک اور پنکھوں کے بغیر تیروں کو قبل از اسلام کے عرب مستقبل میں چھپے امکانات کو جاننے کے لیے استعمال کیا کرتے۔'' [۲۱]

سورۃ الاخلاص میں اسد نے ''الصمد'' کا ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے ''ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک رہنے والا، تمام موجودات کا بلا سبب وجود میں آنے والا (The Eternal, The Uncaused Cause of All that exists) اپنے ترجمے کی تائید کرتے ہوئے وہ اپنے قاری کو بتاتے ہیں کہ اس ترجمہ کی حیثیت لفظ ''الصمد'' کے ایک کم و بیش درست ترجمہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جو قرآن کریم میں ایک مرتبہ صرف رب العزت کے لیے آیا ہے۔ یہ بہت سے تصورات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسے کہ علتِ اولیٰ، ہمیشہ اور ہمیشہ تک رہنے والا، خود مختار ہستی۔ اس میں یہ تصور بھی شامل ہے کہ وجود رکھنے یا سمجھ آنے والی ہر چیز اپنے مبداء کی حیثیت سے واپس اُسی کی طرف لوٹ کر جائے گی۔ اسی لیے ہر چیز اپنے وجود اور بقا کے لیے اسی ذات پاک پر انحصار کرتی ہے۔ [۲۲]

بہت سے عربی الفاظ کی وضاحت کے لیے اسد نے مسلمان ماہرین لسانیات کا حوالہ دیا ہے۔ جیسے کہ قرآنی لفظ ''کوثر'' کی وضاحت کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں کہ:

''اسم کثرۃ سے یہ اسم مبالغہ کی ایک صورت ہے (زمخشری) جس کا معنی ''بہتات''، ''کثرت'' یا ''فراوانی'' ہے۔ یہ لفظ اسم صفت کے طور پر اسی معنی میں آیا ہے۔ (قاموس المحیط، لسان العرب) مذکورہ بالا سیاق میں، جو کہ قرآن کریم میں اس کے استعمال کی واحد مثال ہے۔ الکوثر سے مراد رسول کریم ﷺ کو عطا کی جانے والی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں مجرد صورت میں تمام اچھائیاں شامل ہیں۔ روحانی احساس جیسے کہ نزول وحی، علم، حکمت، پسندیدہ اعمال کا بجالانا، تمام جانداروں کے لیے مہربانی کا رویہ، تاکہ اندرونی سلامتی اور عظمت کا حصول ممکن ہوسکے۔'' [۲۳]

بعض اوقات اسد کچھ خاص الفاظ کا استعاراتی ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے کہ سورۃ المزمل ''یا ایّھا

الْمُزَّمِّل '''(۷۳:۱) اور سورۃ المدثر ''یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّر''' (۷۴:۱) کے شروع میں رسول کریم ﷺ کے صفاتی ناموں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآنی الفاظ 'مزمل' اور 'مدثر' کے معانی ایک جیسے ہیں۔ دونوں الفاظ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ 'وہ جو کسی چیز سے ڈھانپا ہوا ہے' یا کسی چیز میں لپٹا ہوا ہے' اسے مکمل لغوی معنی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے یعنی 'لبادہ یا کمبل میں لپٹا ہوا' اسی طرح استعاراتی انداز میں ''نیند میں لپٹا ہوا' یا 'خود میں لپٹا ہوا'۔ مذکورہ بالا شخصیت (ﷺ) کے حوالہ سے مفسرین کی آرا میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ لفظی معنی کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ بہت سوں کا جھکاؤ استعاراتی معنی کی جانب ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ لسانیاتی معنی کو اگر ایک طرف رکھ دیا جائے ____ کہ جس میں 'اے لپٹے ہوئے' کا خطاب سمجھ میں آتا ہے ____ تو اس کا اشارہ رسول کریم ﷺ کی شخصی رفعت، اور روحانی گہرائی، گیرائی اور آگاہی کی طرف ہے۔[۲۴]

سورۃ النساء کی آیت کے ترجمہ میں محمد اسد نے لفظ ''کَلِمَۃٌ'' کا ترجمہ (Promise) یعنی ''وعدہ'' کیا ہے۔[۲۵]

ہنا ای۔ کیسس نے تبصرہ کیا ہے کہ مترجم (اسد) عربی لغات کی نسبت انگریزی محاورہ سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔[۲۶]

ترجمہ قرآنِ کریم میں خطوط وحدانی کا استعمال

محمد اسد نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے ان الفاظ کو خطوط وحدانی میں لکھا ہے جن کا مقابل لفظ عربی متن میں موجود نہیں ہے۔ کچھ مستشرقین جیسا کہ جارج سیل (۱۶۹۷ء۔۱۷۳۶ء) نے ایسے اضافی الفاظ کو ٹیڑھے حروف (talics) میں لکھا ہے لیکن اسد نے اپنے مسلمان پیش رو مترجمین قرآن محمد مارڈیوک پکتھال (۱۸۷۵ء۔۱۹۳۶ء) اور عبداللہ یوسف علی (۱۸۷۲ء۔۱۹۳۵ء) کی پیروی کرتے ہوئے خطوط وحدانی کو ترجیح دی۔ خطوط وحدانی میں لکھے یہ الفاظ ان لوگوں کے لیے قرآنِ کریم کے ترجمے کی مکمل تفہیم میں مددگار ہوتے ہیں جو عربی زبان سے نابلد ہوں۔

جیسے کہ سورۃ الکوثر کی آیات ''فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ o اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ''' (الکوثر ۲۔۳:۱۰۸) کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

Hence, pray unto thy Sustainer [alone], and sacrifice [unto Him'' alone.] Verily, he that hates thee has indeed been cut off [from all that is good]!''[۲۷]

''صرف [اپنے رب کی عبادت کرو اور] صرف اس کے لیے [قربانی کرو]۔ بے شک جو آپ (ﷺ) سے نفرت کرتا ہے اس

کا[ہر بھلائی سے] تعلق ختم کر دیا گیا۔"

درج بالا دو آیات کے انگریزی ترجمہ میں اسد نے خطوط وحدانی کا تین مرتبہ استعمال اس بات کو واضح کرنے کے لیے کیا ہے کہ قوسین کے اندر درج الفاظ متن قرآن کا ترجمہ نہیں ہیں بلکہ جملہ مکمل کرنے کے لیے مترجم نے خود بڑھائے ہیں۔

اسد کے انگریزی ترجمہ قرآن کی زبان

محمد اسد نے اپنے انگریزی ترجمہ اور تفسیر قرآن کے لیے بہت خوب صورت زبان استعمال کی ہے۔ اگرچہ انگریزی ان کی مادری زبان نہیں تھی لیکن آپ نے اس میں ایسی مہارت حاصل کی کہ بہت سے پیدائشی انگریز لکھاریوں پر سبقت لے گئے۔ اس سے ہمیں عظیم انگریزی ناول نگار جوزف کونارڈ (۱۸۵۷ء۔۱۹۲۴ء) کی یاد آتی ہے۔ جن کی پیدائش و پرداخت پولینڈ میں ہوئی لیکن ان کا شمار عظیم ترین انگریزی ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔

عبدالرحیم قدوائی (پ ۱۹۵۶ء) تبصرہ کرتے ہیں:

"محمد اسد کا "دا میسج آف دا قرآن" انگریزی تراجم قرآن میں ایک اہم اضافہ ہے اور یہ ان تراجم کی نمائندگی کرتا ہے جو شائستہ انگریزی زبان میں لکھے گئے۔"[۲۸]

کینتھ کریگ کے مطابق:

"(See) کے مقابلے میں 'nay'، 'withal'، 'behold' اور 'Thou' اور اسی طرح کے افعال جیسے کہ 'dost' وغیرہ قدیم اور متروک انگریزی زبان کا تاثر اُبھارتے ہیں۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں غیر موزوں تبصرے بھی ہیں۔ کچھ قارئین کا خیال ہے کہ کاش اسد ان خاص مقامات پر اپنی روانی طبع کو نہ روکتے اور زیادہ رواں انگریزی زبان لکھتے کیوں کہ ترجمہ نگاری میں ذمہ داری دوہری ہوتی ہے، اصل اور ترجمہ، دونوں زبانوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔"[۲۹]

اسد کے اپنے الفاظ کچھ یوں ہیں:

"میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے قرآنِ کریم کے ناقابلِ بیان ترنم اور خطابت کو اپنے ترجمہ میں سمو دیا ہے۔ جس کسی نے بھی قرآن کے جلالی حسن کا تجربہ کیا ہے وہ اس طرح کا احمقانہ دعویٰ کر بھی نہیں سکتا اور نہ ہی اس طرح کی کوشش میں پڑ سکتا ہے۔[۳۰]

عربی نحوی تراکیب کی تشریح

محمد اسد کا شمار ان مغربی مسلمانوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے عربی زبان میں مہارت حجازِ مقدس اور دوسرے عرب علاقوں میں لمبا عرصہ قیام کر کے حاصل کی۔ قرآنِ کریم کے تفسیری نکات میں آپ نے نحوی مباحث پر بھی بات کی ہے جیسے کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۳۰ "وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"ANd LO! Thy Sustainer said unto the angels: Behold I am about to establish upon earth one who shall inherit it."

''اور دیکھو! تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا: جان رکھو کہ میں زمین پر اسے بھیجنے جا رہا ہوں جو اس کا وارث ہوگا۔''

''اِذْ'' کی وضاحت کرتے ہوئے اسد لکھتے ہیں:

''اس سیاق میں معلوم ہوتا ہے کہ فجائیہ کلمہ ''Lo'' پارٹیکل ''اِذْ'' کا موزوں ترین ترجمہ ہے جسے عام طور پر، عربی جملوں میں اس کے مختلف استعمالات پر مناسب توجہ دیئے بغیر اس کا ترجمہ ''جب'' (When) کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس ترجمہ کی اکثر توجیہ کر دی جاتی ہے، اچانک یا غیر متوقع واقعہ یا چیز کو ظاہر کرنے یا گفتگو میں اچانک ایک نیا موڑ آجانے کے لیے بھی ''اِذْ'' کا استعمال کیا جاتا ہے۔ (ایڈورڈ ولیم لین، ۱:۳۹) انسان کے اندر جو دلیل دینے کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے اس حوالہ سے بعد میں آنے والی رمز کا تعلق منطقی طور پر پچھلے پیراگراف سے ہے۔''[۳۱]

سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ ''اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ'' میں اسد نے حرف عطف ''ثُمَّ'' کو یوں بیان کیا ہے کہ:

''وہ وقت کی ترتیب کو واضح کرتا ہے اسی لیے اس کا ترجمہ then یا thereupon سے کیا گیا ہے۔ جہاں دو عبارتوں کو باہم ملانا مقصود ہو وہاں سادہ ترین حرف عطف ''وَ'' استعمال کیا جاتا ہے۔''[۳۲]

عربی کی نحوی تراکیب پر اسد کی مہارت کی سب سے اچھی مثال سورۃ النساء کی آیت ۲۹ کے تفسیری حاشیہ میں نظر آتی ہے۔ اگر پارٹیکل ''اِلَّا'' مذکورہ بالا فقرے سے پہلے آجائے تو پھر اس کا عمومی معنی except ''سوائے'' یا unless it be ''حتیٰ کہ یہ'' مراد لیا جائے گا اور پورے جملے کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

"Unless it be [an act of] trade based on mutual agreement"

''جب تک یہ [عملِ] تجارت باہمی رضامندی پر مبنی ہو۔''

جملے کی اس ترکیب نے بہت سے مفسرین کو مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ اگر اس کا لفظی معنی لیا جائے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ تجارت میں باہمی رضامندی پر مبنی ناجائز منافع عام ممانعت میں نہیں آئے گا، ''ایک دوسرے کی چیزوں کو ناجائز طریقے سے ہڑپ نہ کرو'' یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو قرآنِ حکیم کے اخلاقی اصولوں کے مطابق برقرار رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس مشکل سے بچنے کے لیے زیادہ تر مفسرین اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اس سیاق میں پارٹیکل ''اِلَّا'' کا معنی ''لیکن'' ہے اور فقرے میں معنی یوں سمجھنا چاہیے۔

"but it is lawful for you to profit from one another's possessions

by way of legitimate trade based on mutual agreement. "

۳۳

''لیکن تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ ایک دوسرے کے مالوں سے منافع حاصل کرو (اس) قانونی تجارت سے جو باہمی رضامندی پرمبنی ہو۔''

تاہم یہ بات حقیقت سے دور ہے کہ یہ وضاحت، بہت دوراز فہم اور تصنع پرمبنی ہے۔ یہ اس بات کی وضاحت نہیں کرتی کہ کیوں ''جائز تجارت'' کو ایک دوسرے سے جائز منافع اندوزی کا واحد ذریعہ بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ رازی نے اس آیت پر اپنی تفسیر میں بجا طور پر اشارہ کیا ہے:

''یہ بھی غیر قانونی نہیں کہ مالی فائدہ حاصل کیا جائے تحفے سے، وصیت سے، قانونی وراثت سے، خیرات سے، حق بیوگی سے، یا زخم لگنے کے ہرجانے سے، کیوں کہ تجارت کے علاوہ قانونی طور پر مال حاصل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں۔'' ۳۴

پھر کیوں صرف تجارت پر ہی زور دیا گیا؟ اور مزید یہ کہ اس سیاق میں زور دیا گیا جو خاص طور پر تجارتی معاملات سے متعلق نہیں تھے۔ میری نظر میں اس مخمصے کا درحقیقت ایک تسلی بخش جواب یہ ہوسکتا ہے کہ (منافع) حاصل کرنے کے لیے ''اِلَّا'' کے صرف لسانی معنی مراد لیے جائیں۔ اس کے عمومی اطلاق کے علاوہ جو کہ except ''سوائے'' یا ''حتیٰ کہ یہ'' unless it be ہے، بعض اوقات اس کا معنی، جیسا کہ قاموس اور مُغنی دونوں میں اشارہ کیا گیا، سادہ عطفی معنی 'واؤ' کا ہے۔ اسی طرح اگر اس سے پہلے ایک منفی فقرہ آجائے تو یہ ''نہیں'' nor یا ''اور کبھی نہیں'' and neither (ولا) کا مترادف ہوسکتا ہے۔

مثال کے طور پر سورۃ النمل کی دو آیات (۱۰-۱۱) ''لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ٥ اِلَّا مَنْ'' میں بیان کیا گیا ہے:

-"no fear need the message bearers have in My

need anyone who..."(illa) need anyone who...etc) ۳۵

''میری جناب میں پیغمبر کو ڈرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی (اِلَّا) کسی ایسے کو ضرورت ہے جو۔۔۔'' اب اگر ہم ''اِلَّا'' کا یہ مخصوص استعمال زیرِ بحث پیراگراف میں روا رکھیں تو یہ تحریر سامنے آئے گی۔ ''نا [تم ایسا کرو گے] تجارت کے ذریعے جو باہمی رضامندی پرمبنی ہو۔'' یا سادہ الفاظ میں: ''نا ہی تجارت کے ذریعے جو باہمی رضامندی پرمبنی ہو۔'' یہاں معنی فوری طور پر سامنے آجاتے ہیں۔

''اہلِ ایمان کو دوسرے مؤمن کا مال ناجائز طور پر ہڑپ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ دوسرا فرد

___ کم زور ہونے کی وجہ سے ____ اس طرح کی محرومی یا استحصال پر حالات کے جبر کی وجہ سے راضی بھی ہوجائے۔ میری تحریر منطقی طور پر آیت ۳۲ کے ساتھ مربوط ہے جو اہلِ ایمان کو نصیحت کرتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مال کے حریص نہ بنیں۔'' ۳۶

احادیث کے حوالہ جات

تفسیر قرآن کے لیے حدیث ایک بنیادی مصدر ہے اور محمد اسد ایک عالم حدیث تھے۔ آپ نے نہ صرف ۱۹۳۸ء میں امام بخاری کی الجامع الصحیح بخاری کا انگریزی میں ترجمہ کیا بلکہ ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیانی عرصہ میں اس کی شرح بھی لکھی۔ آپ نے امام بخاری کی کتاب کو چالیس اقساط میں چھاپنے کا منصوبہ بنایا جن میں سے پانچ اقساط شائع ہوئیں۔ ۳۷ آپ نے اپنے تمام تر تفسیری حواشی میں کتب حدیث سے استفادہ کیا اور ''فہرست مراجع'' میں حدیث کے ۱۴ مجموعوں کا ذکر کیا۔ ۳۸

اسد نے اپنے تفسیری حواشی میں کتب احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۳۴ کے حاشیہ میں آپ نے بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، احمد ابن حنبل، ابن حبان اور حاکم کا حوالہ دیا ہے۔ ۳۹

دا میسج آف دا قرآن کے متعلق علماء کی آراء

پروفیسر اسماعیل ابراہیم نواب اپنے ایک مضمون میں محمد اسد کی یوں تعریف کرتے ہیں:

He rose to unparalleled eminence among Western Muslims because none has contributed more than Asad to elucidating Islam as an ideology and conveying its quintessential spirit in not even contemporary terms to Muslims and non Muslims alike not even Pickthall , who (1936/d.1355)("an Englishman of the English, who can easily be credited with the most widely read translation of the Quran undertaken by any English' writing convert, with brilliant writings on Islam and with wideranging services to the Muslims, sometimes rendered at great personal sacrifice."

''مغربی مسلمانوں میں آپ (اسد) بے مثال شہرت تک پہنچے۔ ایک نظریے کی حیثیت سے اسلام کی توضیح میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لیے عصری تقاضوں کے مطابق اسلام کی جوہری روح کے ابلاغ کی خاطر اسد سے زیادہ کسی

نے حصہ نہیں لیا۔۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ پکتھال بھی نہیں (م۱۹۳۶ء/۱۳۵۵ھ) ''انگلستان کے ایک فصیح انگریز'' جنھیں بڑی آسانی کے ساتھ یہ اعزاز دیا جاسکتا ہے کہ ان کے قلم سے نکلنے والا ترجمۂ قرآن انگریزی لکھنے والے کسی بھی نومسلم کا کیا ہوا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا ترجمۂ قرآن ہے۔۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام پر شان دار تحریریں، وسیع پیمانے پر مسلمانوں کی خدمت، بعض اوقات اس میں ذاتی قربانیاں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔''[۴۰]

اسد کے ترجمۂ قرآن کے متعلق ہنا ای۔ کیسس کہتی ہیں:

The ability and erudition of the translator are evident throughout this book, which is addressed by a man of faith to those Muslims and non muslims who are incapable of reading the Holy Book in its Arabic original.

''مترجم کی قابلیت اور علمی فضیلت پوری کتاب سے عیاں ہے۔ جس میں ایک بندۂ مومن ان مسلمانوں اور غیر مسلموں سے مخاطب ہے جو اس مقدس کتاب کو اس کی اصل عربی میں نہیں پڑھ سکتے۔''[۴۱]

عبدالرحیم قدوائی (پ۱۹۵۶ء) اپنے مضمون ''قرآن حکیم کے انگریزی تراجم کا جائزہ'' میں تبصرہ کرتے ہیں:

The Message of the Quran by Muhammad Asad Gibraltar, 1980 represents a notable addition of the body of English translation couched in chaste English. This work is nonetheless vitiated by deviation from the viewpoint of the Muslim orthodoxy on many anic statements literally, Asad 'counts. Averse to take some Qur denies the occurrence of such events as the throwing of Abraham into the fire, Jesus speaking in the cradle, etc. He also and 'mythical figures' regards Luqman, Khizr and Dhulqarnain as holds unorthodox views on the abrogation of verses. These blemishes apart, this highly readable translation contains useful, though sometimes unreliable background information about the anic suras and even provides exhaustive notes on various 'Qur anic themes.

''محمد اسد کا ''دا میسج آف دا قرآن'' (جبرالٹر، ۱۹۸۰ء) انگریزی تراجم قرآن میں ایک قابل توجہ اضافہ ہے۔ اسے شائستہ انگریزی میں لکھا گیا ہے تاہم بہت سارے معاملات میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے انحراف کر کے اس کام کو آلودہ کر دیا گیا۔ کچھ قرآنی بیانات کا لفظی معنی لینے سے گریز، یعنی کہ اسد ان واقعات کا انکار کرتے ہیں۔ (۱) ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالا جانا (۲) عیسیٰؑ کا پنگھوڑے میں بات کرنا وغیرہ۔ اسد حضرت لقمانؑ، حضرت خضرؑ اور ذوالقرنین کو خیالی شخصیات قرار دیتے ہیں اور نسخ آیات سے متعلق آپ کے نظریات غیر روایتی ہیں۔ ان نقائص کو ایک طرف رکھ دیا جائے تو یہ بہت اعلیٰ پڑھنے کے لائق ترجمۂ قرآن ہے۔ اس میں مفید معلومات ہیں، اگرچہ بعض اوقات قرآنی سورتوں کے پس منظر کے حوالے سے معلومات غیر معتبر ہوتی ہیں۔ البتہ آپ دیگر بہت سے قرآنی موضوعات کے متعلق ہر پہلو سے احاطہ کرنے والی معلومات فراہم کرتے ہیں۔''[۴۲]

ایک نمایاں برطانوی مفکر گائی ایٹن Gai Eaton، (۱۹۰۱ء-۲۰۱۰ء) نے اسد کے عقلیت پسند انداز کی کچھ حدود کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس نے ''دا میسج آف دا قرآن'' کی درج ذیل انداز میں تعریف کی ہے:

In practical terms this is the most helpful and instructive version an that we have in English. This remarkable man has 'of the Qur done what he set out to do, and it may be doubted whether his achievement will ever be surpassed.

''عملی حوالے سے دیکھا جائے تو انگریزی تراجم قرآن میں یہ سب سے زیادہ مددگار اور معلومات افزاء ترجمۂ قرآن ہے۔ اس غیر معمولی آدمی نے وہ کیا جو وہ کرنا چاہتا تھا اور یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کارنامے سے بڑا کوئی کارنامہ کبھی سامنے آئے گا۔''[۴۳]

مرادھوف مین (پ ۱۹۳۱ء) نے ''دا میسج آف دا قرآن'' پر یوں تبصرہ کیا:

It was the best, next only to Abdullah Yusuf Alis and Marmaduke Pickthalls translation which are the most remarkable among the contemporary efforts to convey the message of the Quran into has been further translated into several translation English. Asad languages such as Turkish and Swedish. His work is particularly appreciated for lucidity and precision of its commentary, based on his stupendous command of Bedouin Arabic. Readers

appreciate perhaps most that Asad treats them as grownups. He exposes the root of the translation problem, relates other options and the reasons given up for choosing them, and then explains reason he preferred in his particular translation.

''عبداللہ یوسف علی اور مارماڈیوک پکتھال کے تراجم قرآن جو عہدِ حاضر میں قرآن کریم کے پیغام کو انگریزی میں ڈھالنے کی سب سے نمایاں کوششیں ہیں، ان دونوں کے بعد اسد کا ترجمۂ قرآن سب سے اچھا ہے۔ اسد کے ترجمۂ قرآن کو مکمل طور پر مزید بہت سی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے جیسے ترکی اور سویڈش زبانیں۔ اس کی تفسیر کی سلاست اور اختصار کی وجہ سے اس کے کام کی خاص طور پر تعریف کی گئی جس کی بنیاد بدویانہ عربی پر ان کی متاثر کن مہارت پر ہے۔ زیادہ تر قارئین شاید ان کی تعریف اس لیے کرتے ہیں کہ اسد انھیں بالغ نظر سمجھتے ہیں۔ وہ ترجمہ نگاری کے بنیادی مسئلے کو سامنے لے آتے ہیں۔ دوسرے قابلِ اختیار الفاظ سے تعلق ظاہر کرتے ہیں (اور ان کے انتخاب کی وجوہات بتاتے ہیں) اور پھر وہ وجہ یا وجوہات کی وضاحت کرتے ہیں کہ کس وجہ سے ایک خاص لفظ کو انھوں نے اپنے ترجمہ میں ترجیح دی۔''[۴۴]

عابدین چندے Abdin Chande (پ ۱۹۳۵ء) نے ایک مضمون

Muhammad Asad's :"Symbolism and Allegory in the Qur'an: "Modernist Translation" ''قرآنِ کریم کی رمزیت اور تمثیلات: محمد اسد کا جدت پسند ترجمہ'' کے زیرِ عنوان لکھا جس میں اس نے تبصرہ کیا:

Muhammad Asad brings a modernist perspective to his translation of the Quran, which at certain points diverges from traditional Muslim understandings of the text.

''محمد اسد اپنے ترجمۂ قرآن میں ایک جدت پسند تناظر لے کر آئے ہیں، جو کچھ خاص مقامات پر متنِ قرآن کی روایتی مسلم تفہیم سے انحراف کر جاتا ہے۔''[۴۵]

خلیل محمد اپنے مضمون: Assessing English Translation of the Qur'an ''قرآن کریم کے انگریزی تراجم کا جائزہ'' میں لکھتے ہیں:

It remains one of the best translation available, both in terms of its comprehensible English and generally knowledgeable annotations.

''یہ دو پہلوؤں سے موجودہ دور کے بہترین تراجم میں سے ایک ہے۔ اول قابلِ تفہیم انگریزی اور دوم علمی حواشی۔''[۴۶]

ملائیس روتھ وین (Ruthven Malise پ ۱۹۴۲ء) نے اسد کے ترجمۂ قرآن کو شاندار الفاظ میں یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

Muhammad Asad has come as near as anyone to making the divine text intelligible to modern readers of the English language. That is an achievement for which future generations of Muslims and non Muslims must always be grateful.

''محمد اسد قرآنی مفاہیم کے اتنے قریب آ گئے جتنا کوئی آ سکتا تھا تاکہ الہامی کلام کو انگریزی زبان کے جدید قارئین کے لئے قابلِ فہم بنایا جائے۔ یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے مستقبل کی مسلم اور غیر مسلم نسلیں یقیناً ہمیشہ ان کی شکرگزار رہیں گی۔''[۴۷]

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری کا خیال ہے کہ:

''اسد نے کامیابی سے ان سنجیدہ تسامحات سے گریز کیا جو دوسرے مترجمین کر چکے ہیں۔''[۴۸]

جے۔ وانزبرو (J. Wansbrough) نے اسد کے ترجمۂ قرآنِ کریم کو ''محبت کی محنت''[۴۹]، جوہن ہیوڈ (John Haywood) نے ''ایک قیمتی تحریر''[۵۰] قرار دیا ہے۔ جب کہ نیل رابنسن (Neil Robinson) کے مطابق محمد اسد سائنسی طرزِ فکر کا ایک عقلیت پسند ہے۔[۵۱] کینتھ کریگ (Kenneth Cragg) بیان کرتا ہے کہ ہر صحیح الذہن قاری ڈاکٹر اسد کی محبت اور سیکھنے کی محنت کو عزت دے گا۔ مسلمانوں کی کتاب کے تراجم کی بڑھتی ہوئی تعداد میں اس کی ایک یقینی جگہ ہوگی اور طلبا کو پرزور نصیحت کی جائے گی کہ وہ اس ہمہ پہلو موقعے سے فائدہ اٹھائیں تاکہ وہ ناقابلِ حصول کو حاصل کر سکیں۔[۵۲]

پروفیسر ایم۔ اے۔ ایس۔ عبدالحلیم کے مطابق:

Asad is one of the most original translators, who did the background research for himself in the original lengthy Arabic exegeses. His language and choice of words too are original, but he inserts many bracketed explanatory words which, though rationalisticuseful, make his sentences cumbersome. Also his

approach leads him to translations that some Muslim theologians disagree with.

''اسد سب سے زیادہ اصلی مترجمین قرآن میں سے ایک ہیں۔ جنھوں نے طویل، اصلی، عربی تفاسیر سے پس منظر کی تحقیق بذات خود کی۔ آپ کی زبان اور الفاظ کا چناؤ بھی اصلی ہے لیکن آپ خطوط وحدانی میں بہت سے وضاحتی الفاظ شامل کرتے ہیں جو اگر چہ مفید ہیں (لیکن) آپ کے جملوں کو بے ڈول بنا دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا عقلیت پسندانہ انداز ایسا ترجمہ سامنے لاتا ہے جس سے کچھ مسلمان علما اتفاق نہیں کرتے۔''۵۳

حاصلِ کلام

عصرِ حاضر کی مغربی دنیا میں محمد اسد عربی زبان کے لاثانی عالم تھے۔ آپ تفسیر اور حدیث کی کتب کا وسیع علم رکھتے تھے۔ یہودی روایت سے متعلق ہونے اور مذہبی پس منظر کی وجہ سے آپ سابقہ الہامی کتب کے علم سے بھی آگاہ تھے۔ ''دا میسج آف دا قرآن'' تفسیر بالروایہ یا تفسیر بالماثور (روایات پر مبنی تفسیر) اور تفسیر بالدرایہ یا تفسیر بالرائے (پختہ رائے پر مبنی تفسیر) کا مرکب ہے۔ اپنے تفسیری حواشی میں زیادہ تر وہ مشہور مفسرین پر انحصار کرتے ہیں اور اپنے نقطۂ نظر کو ان کے حوالوں سے وقیع بناتے ہیں۔ تاہم آپ نے ان آیات پر اپنے حواشی میں تفسیری روایت سے انحراف کیا جن میں انبیاء کے معجزات یا ماورائے فطرت واقعات بیان ہوئے۔ وہ اس طرح کے مباحث کی بنیاد عقل پر رکھتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات کے کسی بھی امکان کو مسترد کرتے ہیں جو علت و معلول (Cause and effect) کی دنیا سے پرے ہیں۔ سائنسی حقائق سے متعلقہ آیات کے کچھ تفسیری حواشی پڑھنے کے قابل ہیں لیکن جب وہ نظریات کو سائنسی حقائق کے طور پر قبول کرتے ہیں تو قاری کا ان سے اتفاق مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ ایک جدت پسند اسکالر تھے لیکن برصغیر کے جدت پسندوں سے مختلف تھے جنھوں نے اپنی تفاسیر میں کتبِ احادیث کو مکمل طور پر رَد کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر سر سید احمد خاں (۱۸۱۷۔۱۸۹۸ء) اور غلام احمد پرویز (۱۹۰۳۔۱۹۸۵ء) نے اپنی تفاسیرِ قرآن میں احادیث پر انحصار نہیں کیا۔ انسان کی تخلیق، معجزات، نبی اکرم ﷺ کی اسراء و معراج، جنات اور رموز قرآن سے متعلق اسد کے نظریات کی بنیاد عقل پر ہے اس لیے وہاں وہ تفسیر اور حدیث کے ادب سے صرف نظر کرتے ہیں۔ اس طرح کے مباحث میں آپ کا عقلیت پسندانہ انداز آپ کے کام کو راسخ العقیدہ علما کے لیے نا قابل قبول بنا دیتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1: Muhammad Ikram Chaghatai,ed.Life of Muhammad Asad Chronologically arranged, in Muhammad Asad:Europ's Gift to Islam (Lahore: The Truth Society & Sang-e-Meel Publication, (2006)1:17.

2: Isma'il Ibrahim Nawwab, A MATTER OF Love: Muhammad Asad and Islam, Islamec Studies, Vol. 39, No.2 (2000),155-231.

3: Muhammad Asad, The Road to Mecca(London: Max Reinhart, 1954)p.III.

4: Isma'il Ibrahim Nawwab, AMatter of Love: Muhammad Asad and Islam, Islamec Studies, Vol. 39, No.2 (2000). pp.155-231.

5: Ibid

6: Ibid

7: Muhammad Asad, The Message of the Qur'an (Gibraltar: Dar al- Andalus, 1997). p.11.

8: Isma'il Ibrahim Nawwab. A Matter of Love: Muhammad Asad and Islam, Islamic Studies, Vol-39, No 2 (2000), pp. 155-231.

9: Ibid

10: Azam, K. M., Unforettable Pakistani, The News International, Lahore.1 July 2000, P. 6.

11: Kramer, M. (ed). The Jewish Discovery of Islam, Studies in the Honor of Bernard Lewis(Tel Aviv: The Moshe Dayan Center for Middle Eastern and Afriean Studies, Tel Aviv University, 1999), pp. 246-47.

12: Muhammad Asad, The Message of the Qur'an (Gibraltar: Dar Al-andalus, 1997), p.iii.

13: cragg, K., The Message of the Qur'an (Book Revies) The Middle Easter Journal, Vol. 35, No.1,(1981: Winter), p.88

14: Ibid

15: Ibid, P.iv

16: Hanna E. Kassis, Review: The Message of the Qur'an, International Jounal of Middle East Studies, Vol.17, No. 4(Nov., 1985), p.571

17: Haywood, J., Review, Journal of Semitic Studies, Vol.ssviii, No. 2, p. 375

18: Muhammad Asad, The Message of the Qur'an (Gibraltar: Dar al-andalus,

1997), pp.ix-x

19: Ibid, p.8

20: Ibid, p.141

21: Ibid.

22: Ibid. p. 985

23: Ibid. p. 980

24: Ibid. p. 902

25: Ibid. p. 137

26: Hanna E. Kassis, Revies: The Message of the Qur'an, International Jounal of middle East Studies, Vol. 17, No.4 (Nov., 1985),p.572

27: Muhammad Asad, The Message of the Qur'an (Gibraltar: Dar al Andalus, 1997), p. 980

28: Kidwai, A.R., A Survey of English Translations of the Qur'an, The Muslim World Book Review, Vol. 7, no. 4, Summer, 1987

29: Cragg, K., The Message of the Qur'an (Gibraltar: Dar al-Andalus, 1997), p.viii.

31: Ibid,p..8.

32: Ibid, p.211.

33: Ibid, p.108

34: Nawwab, isma'il Ibrahim, A matter of Love: Muhammad Asad and islam, Islamic Studies, Vol.39, No. 2(2000), p. 167

35: Muhammad Asad, The Message of the Qur'an (Gibraltar: Dar Al-Andalus, 1997), p ix-x

36: Ibid, p.108

37: Nawwab, Isma'il ibrahi, A Matter of Love: Muhammad Asad and Islam, Islamic Studies, Vol. 39, No.2 (2000), p.167

38: Muhammad Asad, The Message of the Qur'an (Gibraltar: Dar

andalus, 1997),p.ix-x

39: Ibid, p.109-110

40: Nawwab, isma'il Ibrahim, A matter of Love: Muhammad Asad and Islam, Islamic Studies, Vol. 39, No.2(2000), p.162

41: Hanna E Kassis, Review: The message of the Qur'an, International Journal of middle East Studies, Vol.17, no.4(Nov., 1984), p.570

42: Kidwai, A.R., A Survey of English of the Qur'an, The Muslim World Book Review, Vol.7.No.4, Summer,1987

43: Gai Eaton, Review of the Message of the qur'an , Spectator, 7 June, 1980, p. 18

44: Hofmann, M., Muhammad Asad: Europe's Gift to islam, Islamec Studies Vol 39,No.2(2000),p.241

45: Chande, Abdin, " Symbolism and allegory in the Qur'an: Muhammad Asad's Modernist Translation" Islam and Christian-Muslim Relation, Vol.15, no.1(2000) pp.79-89

46: Khaleel Mohammed, " Assessing English Translation of Qur'an", The Middle East Quarterly, Vol. No. (Spring 2005) p.305

47: Malise Ruthven, " Muhammad Asa: Ambassador of Islam", p.62

48: Rahid Ahmad Jullundhri, islam and Current Issues(Lahore: Institute of Islamic Culture, 1st Edition)p.138

49: Wansbrough, f., The Message of the Qur'an by Muhammad Asad (Review), Bulletn of the, School of oriental and African Studies, Vol. 43, No.3, (1981),p.594

50: Haywood, J., Review, Journal of Semitic Studies, Vol. xxviii, No. 2,p.375

51: Robinson, n., 'Sectarian and Ideological Bias in Muslim Translation of hte Qur'an, Islam and Christian- Muslim Relations, Vol.8, No.3(1997) p.276

52: Cragg, K., The Message of the Qur'an (Book Review) The Middle Eastern Journal, Vol.35, No.1,(1981: Winter),p.89

53: Abdel Haleem, M.A.S., The Qur'an : A New Translation (Oxford: Oxford University Press, 2004)

☆☆☆☆

سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور فتنۂ ارتداد

عشرت حیات خان ☆

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دُنیا میں اور جو کچھ اللہ کے پاس آخرت میں ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا تو اس بندے نے وہ اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس تھا۔ انھوں نے بیان کیا کہ اس پر ابوبکر رونے لگے۔ ابوسعید کہتے ہیں ہم کو اُن کے رونے پر حیرت ہوئی کہ نبی کریم ﷺ تو کسی بندے کے متعلق خبر دے رہے ہیں جسے اختیار دیا گیا تھا، لیکن بات یہ تھی کہ خود آپ ﷺ ہی وہ بندے تھے جنھیں اختیار دیا گیا تھا۔ اور (واقعتاً) ابوبکر ہم میں سے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اپنی صحبت اور مال کے ذریعہ مجھ پر ابوبکر کا سب سے زیادہ احسان ہے اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو جانی دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور اسلام کی محبت ان سے کافی ہے۔ دیکھو مسجد کی طرف تمام دروازے (جو صحابہ کے گھروں کی طرف کھلتے تھے) سب بند کر دیے جائیں صرف ابوبکر کا دروازہ رہنے دو۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۴۳۶) [1]

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر کا نام عبداللہ ہے۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے:

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی [2]

آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت پر مرہ بن کعب پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔ آپ کے متعدد القاب ہیں جن میں سے دو درج ذیل ہیں

۱۔ صدیق [3]

یہ لقب آپ کو سیدنا رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، اور عثمان اُحد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے احد! ٹھہر جا، اس وقت تیرے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں" [4]

رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں کثرتِ تصدیق کی وجہ سے آپ کو صدیق کا لقب ملا۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم تصدیق واقعہ معراج کی تصدیق ہے۔

۲۔ عتیق [5]

عتیق کا لقب آپ کو سیدنا رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

"تم جہنم سے اللہ کے عتیق (آزاد کردہ) ہو" [6]

☆ ماہر مضمون، گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری اسکول، ملال (فتح جنگ)

اس کے بعد آپ کا نام عتیق پڑ گیا۔ آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر بن عمرو ہے۔ ان کی کنیت ابو قحافہ ہے۔ یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق کی شان میں آقا کریم سیدنا محمد رسول ﷺ کی متعدد احادیث ہیں۔ جن میں سے کچھ ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں۔

"اگر میں لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور میرے ساتھی ہیں۔" [۷]

ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ آپ کے لیے تمام دروازے کھولے جائیں گے، ہر دروازے کا دربان پکارے گا، آپ اس دروازے سے داخل ہوں، مگر آپ جس دروازے سے چاہیں، جنت میں داخل ہو جائیں گے" [۸]

فتنہ ارتداد کا آغاز ۹ ہجری میں ہوا۔ مگر اس وقت اس نے طاقت نہیں پکڑی تھی۔ اس فتنہ نے ۱۰ ہجری میں زیادہ قوت سے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ اسود عنسی نے یمن، مسیلمہ کذاب نے یمامہ اور طلیحہ بن خویلد اسدی نے اپنے اپنے علاقے میں سر اٹھانا شروع کر دیا۔ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اسلام کے لیے زیادہ خطرہ بننے لگے کیوں کہ انھوں نے اپنے گرد بہت زیادہ تعداد میں لوگوں کو جمع کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مرتدین کے اور ان کے انجام کے بارے میں آقا کریم ﷺ کو خواب دکھایا۔ ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لوگو مجھے شب قدر دکھائی گئی پھر مجھے بھلا دیا گیا اور میں نے اپنے دونوں بازوؤں میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے یہ بات ناگوار گذری، پھر پھونک ماری اور وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے کی۔ یمن والا (اسود عنسی) اور یمامہ والا (مسیلمہ کذاب) [۹]

حضرت سیدنا صدیق اکبر کے عہدِ خلافت میں جن لوگوں نے ارتداد کی راہ اختیار کی، ان کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا۔ جن کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

قاضی عیاض نے مرتدین کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ مرتدین کی پہلی قسم وہ تھی جس نے بُت پرستی اختیار کر لی۔

۲۔ دوسری قسم وہ تھی جس نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی پیروی کی۔

۳۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو اسلام پر تو قائم رہے مگر زکوۃ کا انکار کیا۔ [۱۰]

ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے مرتدین کی چار اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ پہلی قسم ان لوگوں کی تھی جو بُت پرستی میں لگ گئے۔

۲۔ دوسری قسم میں ان لوگوں کو شامل کیا گیا جنھوں نے جھوٹے مدعیانِ نبوت اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور سجاع بنت حارث کی پیروی کی۔

۳۔ تیسرے وہ جنھوں نے وجوب زکوٰۃ کا انکار کیا۔

۴۔ چوتھے وہ جنھوں نے وجوب زکوٰۃ کا انکار تو نہ کیا مگر حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔[۱۱]

حضرت سیدنا ابوبکر نے فتنۂ ارتداد کو نہایت سختی سے کچلنے کا فیصلہ کیا۔ بعض صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ مانعین زکوٰۃ کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کی تالیف قلب اور دل جوئی کے لیے ان کو مالی مدد فراہم کی جائے تاکہ ان کے دلوں کے اندر ایمان راسخ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔[۱۲]

مگر حضرت ابوبکر نے فرمایا:

''واللہ میں اس سے ضرور قتال کروں گا جو نماز و زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا۔ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ واللہ اگر انھوں نے بکری کا بچہ جو رسول ﷺ کو زکوٰۃ میں دیتے تھے؛ روک لیا تو میں اُن سے اس کے روکنے کی وجہ سے قتال کروں گا''

حضرت ابوبکر نے مرتدین کی سرکوبی کے لیے اسلامی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر دستہ ایک امیر کے ماتحت تھا۔ آپ نے دستوں کے امیروں کو یہ ہدایت بھی فرمائی تھی کہ جن بستیوں سے ان کا گذر ہو وہاں کے مسلمانوں کو اپنے اپنے دستوں میں شامل کر لیں۔ آپ نے جو دستے ترتیب دیے وہ درج ذیل تھے۔

۱۔ لشکر حضرت خالد بن ولید کو بنی اسد، بنی تمیم اور یمامہ کی جانب روانہ کیا گیا۔

۲۔ حضرت عکرمہ بن ابوجہل کا دستہ، مسیلمہ کذاب، عمان، حضر موت اور یمن کی جانب روانہ کیا گیا۔

۳۔ حضرت شرجیل بن حسنہ کا دستہ جس کو یمامہ اور حضر موت کی جانب روانہ کیا گیا۔

۴۔ حضرت طریفہ بن حاجب کو بنوسلیم کی طرف روانہ کیا گیا۔

۵۔ حضرت خالد بن سعید کو شام کے نواح میں بھیجا گیا۔

۶۔ حضرت عمرو بن عاص کو قضاعہ کی جانب روانہ کیا گیا۔

۷۔ حضرت علاء بن حضرمی، بحرین کی طرف روانہ کیے گئے

۸۔ حضرت حذیفہ بن محصن غطفانی کو عمان کی جانب روانہ کیا گیا

۹۔ حضرت عرفجہ بن ہرثمہ کو مہرہ کی طرف روانہ کیا گیا

۱۰۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ کو یمن اور حضر موت کی طرف روانہ کیا گیا۔

۱۱۔ حضرت سوید بن مقرن کو تہامہ اور یمن کی جانب روانہ کیا گیا۔[۱۳]

ذوالقصہ کو فوجی مرکز قرار دیا گیا اور یہاں سے اسلامی افواج ارتداد کی تحریک کو کچلنے کے لیے مختلف علاقوں کی طرف روانہ ہوئیں۔

اسود عنسی

اسود عنسی یمن کا رہنے والا تھا۔ اس کا نام عبہلہ بن کعب تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ عنس سے تھا۔ اس کی کنیت ذوالخمار تھی۔ چہرہ میں سیاہ پن کی وجہ سے اسود عنسی کہلایا۔ حجۃ الوداع کے بعد اس نے اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ اس نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس کو ایک مخلص مسلمان سردار فیروز دیلمی نے قتل کیا۔ جس رات اسود کو قتل کیا گیا اسی رات آسمان سے سیدنا رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو بشارت سناتے ہوئے فرمایا:

آج رات عنسی قتل کر دیا گیا۔ بابرکت گھرانے کے ایک بابرکت شخص نے قتل کیا ہے۔ دریافت کیا گیا وہ کون ہے، آپ ﷺ نے فرمایا فیروز، فیروز کامیاب ہو گیا۔ [۱۴]

اسود کو آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں جہنم واصل کر دیا گیا تھا مگر اس کے قتل کی اطلاع حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ پہنچی۔ اسود کے قتل کے باوجود یمن میں امن و امان قائم نہ ہوا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق نے اسود کے ساتھیوں، قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی کرب کے خلاف کاروائی کے لیے حضرت عکرمہ بن ابوجہل اور حضرت مہاجر بن امیہ کو روانہ کیا۔ انھوں نے ان دونوں کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق نے ان دونوں کو معاف کر دیا۔ حضرت عمرو بن معدی کرب نے دورِ فاروقی میں ہونے والی جنگوں میں شاندار کردار ادا کیا۔

طلیحہ بن خویلد اسدی

طلیحہ بن خویلد اسدی کا فتنہ، آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں نمودار ہوا۔ اس کا پورا نام طلیحہ بن خویلد بن نوفل بن نضلہ الاسدی ہے۔ یہ فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ [۱۵]

مدینہ منورہ سے واپسی پر یہ ارتداد میں مبتلا ہو گیا اور دعویٰ نبوت کر دیا۔ اس نے سمیراء کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور عوام کی کثیر تعداد اس کے گرد جمع ہو گئی۔ اس نے نماز سے سجدوں کو ختم کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے حضرت ضرار بن ازور کو روانہ کیا مگر طلیحہ کی طاقت کافی بڑھ چکی تھی۔ بنو اسد اور بنو غطفان کی ایک کثیر تعداد اس کے گرد اکٹھی ہو چکی تھی۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق نے عنانِ خلافت سنبھالنے کے بعد طلیحہ کے فتنہ کی طرف توجہ دی۔ آپ نے مرتدین کا سر کچلنے کے لیے فوج تیار کی اور قائدین کا تقرر کیا۔ طلیحہ اسدی کی طرف حضرت سیدنا ابوبکر نے حضرت خالد بن ولید کو روانہ کیا۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے؛ جب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق نے حضرت خالد بن ولید کو مرتدین کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا تو ارشاد فرمایا:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرما رہے تھے، اللہ کا بہترین بندہ اور خاندان کا بہترین فرد خالد بن ولیدؓ ہے۔ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین پر مسلط کر دیا ہے۔ [۱۶]

جب سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ذوالقصہ سے رُخصت کیا تو ان کو ہدایت کی کہ ''

پہلے طلیحہ اسدی کی طرف روانہ ہوں اس سے نپٹنے کے بعد بنوتمیم کی طرف روانہ ہوجائیں۔ طلیحہ کے ساتھ بنو اسد اور بنوغطفان پہلے ہی سے موجود تھے۔ جب کہ بعد میں عبس و ذبیان بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق نے قبیلہ طے سے تعلق رکھنے والے نامور سردار حضرت عدی بن حاتم طائی ؓ کو قبیلہ طے کی طرف روانہ کیا اور ان سے کہا کہ وہ اپنے قبیلے بنو طے کے پاس جائیں اور ان کو طلیحہ کا ساتھ دینے سے روکیں ورنہ ان کا انجام بُرا ہوگا۔ حضرت عدی ؓ بنو طے کی طرف روانہ ہوئے اور انھیں دعوت دی کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیعت کرلو اور اللہ کی طرف رجوع کرو۔ ۱۷

حضرت عدی بن حاتم طائیؓ کی باتیں سن کر بنو طے نے آپس میں مشورہ کیا اور طے پایا کہ حضرت عدیؓ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ انھوں نے حضرت عدیؓ سے عرض کیا:

ہم آپ کا مشورہ قبول کرتے ہیں۔ آپ خالد بن ولیدؓ کے پاس جائیں اور انھیں ہم پر حملہ کرنے سے روکیں۔ اس عرصہ میں ہم اپنے بھائیوں کو بلانے کی کوشش کریں گے جو بزاخہ میں طلیحہ کے لشکر میں موجود ہیں۔ کیوں کہ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم نے کھلم کھلا طلیحہ کی مخالفت کی تو وہ ہمارے ان بھائیوں کو قتل کرادے گا۔ حضرت عدیؓ اپنی قوم کی بات سن کر بہت خوش ہوئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس جا کر کہا:

آپ تین روز تک ٹھہر جائیں، اس عرصے میں آپ کے پاس پانچ سو بہادر جمع ہوجائیں گے جو دشمن سے مقابلہ کے لیے بے حد مفید ثابت ہوں گے۔ ۱۸

جب تین دن گذر گئے تو حضرت عدیؓ بنو طے میں سے پانچ سو مجاہدین کے ہمراہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ پانچ سو افراد ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے حق کی طرف رجوع کرلیا تھا۔ یہ مجاہدین لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنو جدیلہ کا رُخ کیا۔ حضرت عدی بن حاتم طائی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

آپ ہمیں کچھ روز کی مہلت دیں۔ میں انھیں لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ انھیں بھی بچالے گا جس طرح غوث کو بچایا ہے۔ ۱۸

حضرت عدی بنو جدیلہ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے بھی آپ کی بات مان لی اور مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے ایک ہزار سواروں نے اسلامی فوج میں شمولیت اختیار کرلی۔ اس طرح حضرت عدی اپنی قوم کے لیے بہترین سپوت اور عظیم برکت والے ثابت ہوئے۔ ۱۹

معرکہ بزاخہ

قبیلہ طے اور جدیلہ کے دوبارہ قبول اسلام کی اطلاعات طلیحہ کو بزاخہ میں ملیں۔ یہ سن کر طلیحہ پر گھبراہٹ طاری

ہوگئی۔ عینیہ بن حصین مسلسل طلیحہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔

قبیلہ طے اور اس کی شاخ جدیلہ کو ساتھ ملانے کے بعد حضرت خالد بن ولید نے طلیحہ کی طرف پیش قدمی کرنا شروع کی۔ حضرت خالد بن ولید نے حضرت عکاشہ بن محصنؓ اور حضرت ثابت بن اقرم انصاری کو دشمن کے حالات معلوم کرنے لیے لشکر سے آگے روانہ کیا۔ یہ دونوں عرب کے معزز ترین افراد اور بہادری میں ضرب المثل تھے۔ ۲۰

ان دونوں کو طلیحہ کا بھتیجا حبال مل گیا جس کو انھوں نے قتل کر دیا۔ طلیحہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو وہ اور اُس کا بھائی سلمہ اپنے لشکریوں کے ہمراہ نکلے۔ حضرت ثابت اور حضرت عکاشہ سے مقابلہ ہوا۔ طلیحہ نے حضرت ثابت اور حضرت عکاشہ کو شہید کر دیا۔

بنو طے سے معاملات طے پانے کے بعد حضرت خالد بن ولید اجا اور سلمیٰ کے مقامات سے ہوتے ہوئے بزاخہ پہنچے۔ طلیحہ اپنے معاونین کے ساتھ بزاخہ میں موجود تھا۔ اس کے ساتھ عینیہ بن حصین بنوفزارہ کے سات سو افراد کے ساتھ موجود تھا۔ صف بندی کے بعد لڑائی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ طلیحہ کذاب چادر میں لپٹا پیش گوئیاں کر رہا تھا۔ عینیہ مسلمانوں سے برسرپیکار تھا۔ جب عینیہ نے شکست کے آثار دیکھے تو چادر میں لپٹے طلیحہ کے پاس آیا اور اس سے پوچھا۔

کیا جبرائیل آئے؟

طلیحہ نے کہا نہیں۔

عینیہ دوبارہ لڑائی میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد پھر آیا اور پوچھا:

کیا جبرائیل آئے؟

طلیحہ نے کہا نہیں

پھر تیسری مرتبہ آیا اور پوچھا۔

کیا جبرائیل آئے؟

طلیحہ نے کہا ہاں

عینیہ نے پوچھا جبرائیل نے کیا کہا؟

اس کذاب کے لیے کہا

تمھیں اس کی چکی کی طرح چکی حاصل ہوگی اور ایسا واقعہ پیش ہوگا جسے بھولو گے نہیں ۲۲

اس جواب کے بعد عینیہ اپنی قوم کی طرف آیا اور کہا:

اے بنوفزارہ طلیحہ کذاب ہے، اسے چھوڑ دو اور بھاگ کر جانیں بچاؤ ۲۳

یہ سن کر بنوفزارہ اور عینیہ میدان جنگ سے فرار ہوگئے۔ باقی ماندہ لشکر طلیحہ کے گرد جمع ہوگیا اور اس سے پوچھنے لگا

کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ طلیحہ کذاب نے پہلے ہی سے اپنے لیے ایک گھوڑا اور اپنی بیوی نوار کے لیے اونٹ تیار کر رکھا تھا۔ شکست دیکھ کر وہ اپنی بیوی کو لے کر شام کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کی فوج منتشر ہو گئی اور اس فتنے کا خاتمہ ہوا۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو طلیحہ کی شکست اور حضرت خالد بن ولید کی فتح کی خبر پہنچی تو آپؓ نے ان کو خط تحریر کیا اور لکھا۔

''اللہ تعالیٰ نے تم پر جو انعام کیا ہے اس سے تمھاری خیر میں اضافہ ہو اور اپنے معاملہ میں اللہ سے تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ متقیوں اور نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہے۔ اپنے موقف پر ڈٹے رہو، نرم مت پڑنا اور ان مشرکین میں سے جو بھی ملے، جس نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہے تو اسے عبرتناک سزا دو۔'' ۲۴

حضرت خالد بن ولیدؓ ایک ماہ تک بزاخہ میں ٹھہرے رہے۔ ان مشرکین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر عبرتناک سزائیں دیں جنھوں نے مسلمانوں کو شہید کیا تھا۔

طلیحہ کذاب کے عبرتناک انجام سے جھوٹے مدعیانِ نبوت میں ایک فتنہ کا خاتمہ ہوا۔ عربوں کی ایک کثیر تعداد اسلام میں واپس آ گئی۔ بنو عامر دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید نے کچھ قیدیوں کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ ان میں عینیہ بن حصین بھی تھا۔ عینیہ نے خالص توبہ کا اعلان کیا اور اسلام قبول کر لیا۔

طلیحہ نے فرار ہو کر بنو کلب میں پناہ لی اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وصال تک طلیحہ بنو کلب ہی میں مقیم رہا۔ اس نے دورِ صدیقی میں عمرہ بھی ادا کیا۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں آپ کی خدمت میں بیعت لینے کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا:

تم عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم کے قاتل ہو۔ واللہ میں تمھیں کبھی پسند نہیں کر سکتا۔

طلیحہ نے عرض کیا:

اے امیر المومنین! آپ ایسے دو شخصوں کے بارے میں مہتمم قرار نہ دیں جنھیں اللہ نے میرے ہاتھوں سے شرف و منزلت عطا فرمائی ۲۵

اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے بیعت لے لی۔

ام زمل

جنگ بزاخہ میں شکست کے بعد بعض مرتدین فرار ہو کر ام زمل، سلمیٰ بنت مالک کے پاس پہنچے اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی قیادت میں مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ام زمل، ام قرفہ کی بیٹی تھی جس کو حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ سیدنا زید بن حارثہؓ بنو فزارہ کی جانب گئے۔ وادی القریٰ میں ان کا سامنا بنو فزارہ کے چند لوگوں سے ہوا۔ انھوں نے سیدنا زید کے ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ خود سیدنا زید بھی زخمی ہو گئے۔ زخم مندمل ہوتے ہی سیدنا رسول اللہ ﷺ نے انھیں دوبارہ لشکر دے کر بنو فزارہ کی جانب روانہ کیا۔ سیدنا زید کے لشکر کو کامیابی حاصل

ہوئی۔ قیدیوں میں ام زمل کی والدہ، ام قرفہ فاطمہ بنت بدر بھی تھی۔ اس نے اپنی قوم کو بھڑکا کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لیے تیار کیا تھا۔ چناں چہ اس جرم کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا۔

جب سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا خالد کے مقابلے میں شکست کھانے والے مرتدین ام زمل کے گرد اکٹھے ہوئے تو اُس نے اِن کی ہمت بندھا کر دوبارہ ان کو حضرت خالد کے لشکر سے ٹکر لینے پر آمادہ کر دیا۔ دونوں افواج میدان جنگ میں آمنے سامنے ہوئیں۔ ام زمل اونٹ پر سوار اپنی فوج کو برابر جوش دلا رہی تھی۔ ام زمل کے اونٹ کے ارد گرد سو اونٹ اور تھے جن پر سوار بہادر، ام زمل کی حفاظت کر رہے تھے۔ مسلمان شہسوار بڑی مشکل سے ام زمل کے اونٹ تک پہنچے اور اونٹ کی کونچیں کاٹ کر ام زمل کو قتل کر ڈالا اس کی موت کے بعد مرتدین فرار ہو گئے۔ اس طرح جزیرہ نما عرب کے شمال مشرقی حصے سے بھی ارتداد کا خاتمہ ہو گیا۔۲۶

مالک بن نویرہ

مالک بن نویرہ کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے بنو تمیم کی مختلف شاخوں کے لیے جو مختلف امیر مقرر فرمائے تھے ان میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔ اس کا تعلق بنو تمیم کی شاخ یربوع سے تھا۔ یہ قبائل سرزمین عرب کے جنوبی حصے میں آباد تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مالک بن نویرہ نے سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اسی دوران سجاح بنت حارث جس کا تعلق بنی تغلب سے تھا اور نصرانی تھی، نے بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا۔ سجاح اپنے لشکر کے ساتھ بنو یربوع کی حدود تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے بنو تمیم کے لوگوں کو اپنے لشکر میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ بنو تمیم کی اکثریت نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ سجاح کی دعوت پر اس کے ساتھ شامل ہونے والوں میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔

سجاح بنو تغلب سے اپنے لشکر کے ہمراہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جنگ کے لیے روانہ ہوئی تھی مگر مالک بن نویرہ سے ملاقات کے بعد مالک نے اس کو بنو حنیفہ کے خلاف بھڑکایا۔ مگر سجاح مسیلمہ سے جنگ کے لیے یمامہ کی طرف روانہ ہو گئی اور مالک بن نویرہ بطاح میں مقیم ہو گیا۔ سجاح کے اس رویے کے بعد مالک بن نویرہ اپنے کیے پر نادم تھا۔ اسی وقت حضرت خالد بن ولید بزاخہ میں مرتدین کو شکست دے کر اسلامی خلافت کی بنیادیں مضبوط کر رہے تھے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار اور سجاح سے مل کر بنو تمیم کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے باعث مالک، حضرت خالد بن ولید کی نگاہوں میں مجرم قرار پا چکا تھا۔۲۸

حضرت خالد بن ولید نے اپنے لشکر کے ہمراہ بطاح کا رخ کیا۔ انصار پیچھے رہ گئے اور کہا ''ابو بکر نے ہمیں جس کام کا حکم دیا تھا وہ ہم نے کر لیا۔''

حضرت خالد بن ولید نے مزید فرمایا اس کا کرنا بھی ضروری ہے اور یہ بہترین موقع ہے، اس کو غنیمت سمجھنا

ضروری ہے اگر چہ اس سلسلے میں خلیفۃ الرسول کا کوئی خط نہیں آیا، میں امیر ہوں اور خبریں مجھے پہنچتی رہتی ہیں۔ میں تمھیں چلنے پر مجبور نہیں کرتا تاہم میں بطاح جا رہا ہوں۔ جب آپ کو بطاح کی طرف روانہ ہوئے دو دن ہو گئے تو انصار کی طرف سے ایک شخص جا کر حضرت خالد بن ولید سے ملا اور آپ سے انتظار کرنے کا مطالبہ کیا۔ پھر انصار بھی آپ سے جا ملے۔

اسلامی لشکر بطاح پہنچا تو مالک بن نویرہ اپنے ساتھیوں سمیت موجود تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے اپنے دستوں کو بطاح میں پھیلا دیا جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔ بنوتمیم کے امرا نے دعوت قبول کر لی اور سمع واطاعت کا اعلان کر دیا اور زکوٰۃ ادا کر دی۔ مالک بن نویرہ اس سلسلہ میں متردد رہا اور لوگوں سے الگ ہو گیا۔ اسلامی فوجی دستے اس کے پاس پہنچے اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت ابوقتادہؓ نے خبر دی کہ انھوں نے نماز قائم کی ہے لیکن لشکر کے دیگر افراد نے کہا کہ نہ انھوں نے اذان دی اور نہ ہی نماز قائم کی ہے۔ ۲۹

ایک روایت میں ہے کہ قیدیوں نے رات بیڑیوں میں گذاری۔ سخت سردی کی وجہ سے حضرت خالد بن ولید نے حکم دیا کہ انھیں گرمی پہنچاؤ۔ اس فقرے سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ انھیں قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انھوں نے سب قیدیوں کو قتل کر دیا۔ حضرت خالد بن ولید قیدیوں کی چیخ و پکار کی آواز سُن کر باہر نکلے تو سب کو قتل کیا جا چکا تھا۔ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ ہو کے رہتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو اپنے پاس بلایا۔ سجاح کا ساتھ دینے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار پر اس کو تنبیہ کی اور اس سے کہا:

کیا تم نہیں جانتے کی نماز اور زکوٰۃ ایک جیسی ہیں؟

مالک نے کہا تمھارے صاحب (رسول اللہ ﷺ) کا یہی حکم تھا۔

حضرت خالد بن ولید نے کہا، کیا وہ ہمارے صاحب ﷺ ہیں؟ تمھارے صاحب نہیں؟ پھر حکم دیا اے ضرار اس کی گردن اُڑا دو۔ اس سلسلے میں حضرت ابوقتادہؓ نے حضرت خالد بن ولید سے گفتگو کی۔ حضرت ابوقتادہؓ نے مالک بن نویرہ کے قتل کے بعد مدینہ منورہ جا کر سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی حضرت خالد کی شکایت کی۔ حضرت سیدنا عمر فاروق نے حضرت ابوقتادہؓ کی جانب سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ آپ خالد کو معزول کریں، ان کی تلوار سے ناحق خون بہہ رہا ہے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواباً کہا:

جو تلوار اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف کھینچی ہے میں اسے میان میں بند نہیں کر سکتا۔ ۳۰

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پاس سے مالک کے بھائی متمم بن نویرہ کو دیت ادا کی۔

سجاح بنت حارث

سجاح بنت حارث بن سوید کا تعلق بنو تغلب سے تھا۔ یہ نصرانی تھی۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اس کا

تعلق بنو تمیم کی شاخ بنو یربوع سے تھا۔ اس کی ننھیال عراق کے قبیلہ بنو تغلب میں تھی۔ اس کی شادی بھی بنو تغلب میں ہوئی تھی۔ یہ اپنے علاقہ سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق سے جنگ کے لیے روانہ ہوئی۔ اس کے ساتھ اس کے معاونین کا لشکر تھا۔ بنو تمیم کے علاقے میں پہنچ کر بنو تمیم کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ بنو تمیم کے امراجن میں مالک بن نویرہ بھی شامل تھا؛ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

سجاح، بنو تغلب سے، سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جنگ کے ارادے سے نکلی تھی مگر بنو تمیم سے الحاق کے بعد اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کرنے کے لیے یمامہ کی جانب چل دی۔

یمامہ میں جب مسیلمہ کذاب کو سجاح کے ارادے کی خبر ملی تو وہ پریشان ہو گیا۔ اس وقت اس کے لشکر اور حضرت ثمامہ بن اثالؓ کے درمیان جنگ کی تیاری ہو رہی تھی اور حضرت عکرمہ بن ابو جہل اسلامی لشکر کے ہمراہ حضرت ثمامہ بن اثال کی مدد کے لیے پہنچ چکے تھے اور حضرت خالد بن ولید کے لشکر کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ مسیلمہ کذاب نے سجاح کے پاس اپنے ایلچی بھیجے اور ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ مسیلمہ نے اس کو یہ پیشکش بھی کی کہ اگر سجاح جنگ کے ارادے سے باز آ جائے تو اس کو آدھی زمین جو قریش کی تھی؛ دے دے گا۔

سجاح اور مسیلمہ کذاب کی ایک خیمے میں ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے بعد مسیلمہ نے سجاح کو شادی کی پیش کش کی جس کو سجاح نے قبول کر لیا۔ سجاح تین دن تک ٹھہری رہی پھر اپنے لشکر میں واپس آئی۔ اس کے معاونین نے اس سے دریافت کیا کہ مسیلمہ نے تم کو کیا مہر دیا ہے۔ سجاح کے جواب پر کہ مسیلمہ نے مجھے کوئی مہر نہیں دیا تو اس کے معاونین نے اس سے کہا کہ مسیلمہ سے مہر کا مطالبہ کرے۔

مسیلمہ کذاب نے سجاح کے ایلچی سے کہا کہ سجاح کو بتائے کہ میں نے مہر میں فجر اور عشاء کی نمازیں معاف کر دی ہیں۔ جب حضرت خالد بن ولید اپنے لشکر کے ہمراہ یمامہ پہنچنے والے تھے تو سجاح اپنے علاقہ میں بھاگ آئی اور بنو تغلب میں قیام پذیر ہو گئی۔ جب حضرت امیر معاویہ خلیفہ مقرر ہوئے تو بنو تغلب کو وہاں سے جلاوطن کر دیا گیا۔ [۳۱]

جب کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ امیر معاویہ نے سجاح کو اس کی قوم کے ساتھ بنو تمیم بھیج دیا جہاں وہ اپنی وفات تک مسلمان ہونے کی حالت میں مقیم رہی۔ [۳۲]

اہلِ عمان کا ارتداد

اہلِ عمان نے دعوتِ اسلام قبول کر لی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ عمان کی طرف حضرت عمرو بن العاص کو بھیجا۔ حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد لقیط بن مال الازدی جس کا لقب ذوالتاج تھا، نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ عمان کے جاہلوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ اس نے سابقہ شاہ عمان جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عباد کو ایک پہاڑی علاقہ میں محصور کر لیا۔ جیفر نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام صورتِ حال سے باخبر کر دیا۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے پاس دو امیر حذیفہ بن محصن غلفانی حمیری اور عرفجہ بارقی ازدی روانہ کیے۔ ان کی مدد کے لیے حضرت عکرمہ کو روانہ کیا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق نے عرفجہ اور حذیفہ کو لکھا کہ عمان پہنچ کر حضرت عکرمہ کی رائے پر عمل کیا جائے۔

لقیط بن مال الازدی کذاب کو اسلامی لشکر کی اطلاع ملی تو وہ عمان کے مرکزی شہر دبا کے مقام پر فروکش ہوا۔ جیفر اور عباد، صحار کے مقام پر فروکش ہوئے اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مقرر کردہ امرا کو مطلع کیا۔ دونوں افواج میں گھمسان کا رن پڑا۔ اسلامی لشکر کی مدد کے لیے بنو ناجیہ اور بنو عبدالقیس امرا کی ایک جماعت کے ہمراہ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوئی اور مشرکین اور مرتدین پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ ۳۳

بحرین

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علاء بن حضرمی کو حاکم بحرین منذر بن ساوی عبدی کے پاس بھیجا تو وہ اور اُن کی قوم سب مسلمان ہو گئے۔ ماضی میں بحرین کا اطلاق سعودی عرب کے مشرقی حصے اور کویت کے علاوہ خلیج عرب کی دیگر اماراتوں پر بھی ہوتا تھا۔ ۳۴

سیدنا رسول اللہ ﷺ کے وصال کے تھوڑے ہی دن بعد منذر کا بھی انتقال ہو گیا۔ منذر کے انتقال کے بعد بحرین کے لوگ ارتداد کا شکار ہو گئے اور منذر بن نعمان الغرور کو اپنا بادشاہ بنالیا۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت علاء بن حضرمی کی قیادت میں فوج روانہ کی۔ اس فوج کے پہنچنے سے قبل بحرین میں ارتداد کا قلع قمع کرنے میں بحرین کے ان مسلمانوں کا کردار نہایت قابلِ تعریف ہے جو اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس سلسلے میں حضرت جارود بن معلیٰؓ کا کردار نہایت ہی نمایاں ہے۔ انہی کی کاوشوں کی وجہ سے بنو عبدالقیس اسلام پر ثابت قدم رہے۔

حضرت علاء بن حضرمیؓ کے لشکر میں راستے میں حضرت ثمامہ بن اثالؓ بھی اپنی قوم کی کثیر تعداد کے ہمراہ شامل ہو گئے۔ حضرت جارود بن معلیٰؓ نے بھی اپنی قوم کے ساتھ آپؓ کی بڑی مدد کی۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس لشکر میں شامل ہو گئی۔ بحرین میں جن لوگوں نے ارتداد کا قلع قمع کرنے میں حضرت علاءؓ سے تعاون کیا ان میں قیس بن عاصم منقری، عفیف بن منذر اور حضرت مثنیٰ بن حارثہ کا کردار بھی بہت اہم ہے۔ ۳۵

حضرت علاء بن حضرمی اور ان کے لشکر نے مرتدین کے لشکر کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ رات کو جب مرتدین شراب کے نشے میں بدمست تھے تو اسلامی لشکر نے ان پر دھاوا بول دیا اور مرتدین کا خوب قتال کیا۔ مرتدین کا سربراہ حطم فرار ہوتے ہوئے قتل ہوا۔ بچ جانے والے مرتدین نے دارین ۳۶ میں پناہ لے لی۔ حضرت علاء ان کے تعاقب میں ساحل سمندر تک پہنچ گئے۔ آپ کو یہ احساس تھا کہ کشتیوں سے جلدی دارین نہیں پہنچا جا سکتا تھا اور زیادہ دیر سے پہنچنے میں یہ

امکان بھی تھا کہ مرتدین وہاں سے کہیں اور فرار ہو جائیں گے۔ حضرت علاء بن حضرمیؓ نے یہ ذکر کرتے ہوئے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ یا ارحم الراحمین یا حکیم یا کریم یا احد یا صمد یا حی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام لاالہ الا انت ربنا۔ ۳۷

حضرت علاء بن حضرمی نے اپنے لشکر کو بھی حکم دیا کہ یہ ذکر کرتے ہوئے اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھوں نے اسلامی فوج کو لے کر خلیج کو اس طرح پار کیا کہ گویا نرم ریت پر چل رہے ہوں۔ دارین پہنچ کر اسلامی لشکر نے مرتدین کو ان کے عبرتناک انجام تک پہنچا دیا۔

مسیلمہ کذاب

فتنہ ارتداد میں سب سے خطرناک مرتد مسیلمہ کذاب تھا۔ اس کا تعلق بنوحنیفہ سے تھا۔ اس کا پورا نام مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب حنفی تھا۔ کنیت ابوثمامہ تھی۔ اس کی ولادت اور نشوونما یمامہ کی بستی میں ہوئی۔ یہ عیینیہ کے قریب نجر کے علاقہ وادی حنیفہ میں واقع ہے۔ اس نے عرب و عجم کی سیاحت کر رکھی تھی اور کاہنوں، فال نکالنے والوں اور شعبدہ بازوں سے ان کے علوم سیکھ رکھے تھے۔ اس نے آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ بنوحنیفہ کے وفد کے ہم راہ ۹ ہجری میں آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ بنوحنیفہ کا وفد جب واپس یمامہ پہنچا تو مسیلمہ کذاب نے اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ یہ بدبخت جس چیز کو چاہتا حلال قرار دے دیتا اور جس چیز کو چاہتا حرام قرار دے دیتا۔ یہ اپنی جانب سے کلام گھڑ لیتا تھا۔

ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ اسلام لانے سے قبل عمرو بن عاص نے اس سے ملاقات کی۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ محمد ﷺ پر قرآن میں سے کیا نازل ہوا ہے؟

عمرو بن عاص نے فرمایا، ان پر اللہ نے سورۃ العصر نازل فرمائی ہے۔ مسیلمہ کذاب نے جواب دیا مجھ پر اللہ تعالیٰ نے اسی کے مثل نازل فرمایا ہے۔

یا وبر یا وبر انما انت اذنا ن و صدر وسائرک حفر نقر ۳۸

ترجمہ: اے وبر، اے وبر ۳۹ تمھارے دو کان اور سینہ اور باقی جسم کھدا ہوا بدصورت ہے۔

یہ سن کر عمرو بن عاص نے کہا، واللہ اے مسیلمہ تجھے علم ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تو جھوٹ بکتا ہے۔ ہجرت کے دسویں سال مسیلمہ کذاب نے اپنے ایلچی بارگاہ نبوت ﷺ میں بھیجے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے خط کا جواب دیا۔ حضرت ابی ابن کعب نے یہ جواب تحریر کیا، اس کا آغاز اس طرح کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد نبی ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ امابعد ۴۰

آپ ﷺ جب مسیلمہ کذاب کے خط سے مطلع ہوئے تو اس کے دونوں قاصدوں سے فرمایا، تم دونوں کیا کہتے ہو؟ ان بدبختوں نے کہا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو مسیلمہ نے کہا ہے۔ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر سفیروں کو قتل کرنا صحیح ہوتا تو میں تمھاری گردن اُڑا دیتا۔

آپ ﷺ نے حضرت حبیب بن زید انصاریؓ کو اپنا نامہ مبارک دے کر اس بدبخت کذاب کے پاس بھیجا۔ جب اس کو خط پیش کیا گیا تو مسیلمہ کذاب نے حضرت حبیبؓ سے کہا۔

کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟

حضرت حبیبؓ نے فرمایا ہاں

مسیلمہ کذاب نے پھر پوچھا

کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

حضرت حبیبؓ نے فرمایا میں بہرا ہوں، سنتا نہیں

مسیلمہ کذاب بار بار یہی سوال دہراتا رہا اور آپؓ بار بار وہی جواب دیتے رہے اور ہر مرتبہ جب حضرت حبیبؓ اس کذاب کی من مانگی مراد پوری نہ کرتے تو ان کے جسم مبارک کا ایک عضو کاٹ لیا جاتا۔ حضرت حبیب صبر واستقامت کا پہاڑ بنے رہے۔ یہاں تک کہ اس بدبخت نے آپؓ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس کے سامنے حضرت حبیبؓ نے جام شہادت نوش کیا۔[۴۱]

قربان جائیں آقا کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر، آپ ﷺ کس طرح عہد و پیمان اور عالمی دستور کا احترام کرتے ہیں اور مسیلمہ کذاب کے سفیروں کو قتل نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ آپ ﷺ کے سخت دشمن کافر ہی ہوں اور آپ ﷺ کے سامنے ہی کفر کیوں نہ کر رہے ہوں۔

بنوحنیفہ کے لوگوں کی ایک بہت کثیر تعداد مسیلمہ کذاب کے فتنہ کا شکار ہوگئی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ بنوحنیفہ کے کئی مشاہیر اور لوگ دینِ اسلام پر ثابت قدم بھی رہے۔ ان میں سب سے اہم نام حضرت ثمامہ بن اثال کا ہے۔ ان کے علاوہ معمر بن کلاب اور ابن عمر الیشکری بھی دین اسلام پر قائم رہے۔ عامر بن مسلمہ اور ان کا خاندان بھی ان خوش نصیب افراد میں سے تھے جو اسلام پر ثابت قدم رہے۔ حضرت خالد بن ولید نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق کے حکم کے مطابق بنو اسد، بنوعطفان اور مالک بن نویرہ سے نپٹ کر یمامہ کا رخ کیا۔ یمامہ کے راستے میں مرتدین کی جس جماعت سے بھی حضرت خالد بن ولید کا سامنا ہوا، آپ نے اسے تہ تیغ کر دیا۔

مسیلمہ کذاب نے اپنی فوج کو یمامہ کے نزدیک عقربا نامی مقام پر متعین کر دیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے اپنی فوج کو درج ذیل ترتیب سے مرتب کیا۔

۱۔ مقدمۃ الجیش پر حضرت شرحبیل بن حسنہؓ
۲۔ میمنہ پر حضرت زید بن خطابؓ
۳۔ میسرہ پر حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہؓ

مسیلمہ کذاب کے لشکر کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔

بعض روایات کے مطابق مسیلمہ کذاب کا لشکر چالیس ہزار لوگوں پر مشتمل تھا۔ کچھ روایات کے مطابق مسیلمہ کذاب کے لشکر میں ستر ہزار کے لگ بھگ افراد شامل تھے۔۴۳

مسیلمہ کذاب نے میدان کارزار میں اپنے لشکر سے خطاب کیا اور ان کو قبائلی غیرت پر اُکسایا۔ اس معرکہ پر تمام عرب بل کہ ایران کی نگاہیں مرکوز تھیں۔ اور وہ بڑی بے صبری سے اس معرکہ کے نتیجے کے منتظر تھے۔ اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار سے تیرہ ہزار تھی۔ اور امیر لشکر اپنے وقت کے سالارِ اعظم، سیف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ اس لشکر میں کلام اللہ کے حفاظ اور قراء حضرات بھی تھے۔ یہ محاذ جنگ بڑا وسیع تھا۔ کئی مربع میل پر مسلمانوں اور کفار کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ حضرت خالد نے اپنی فوج کو ایک ٹیلے پر پھیلا دیا جس کے نیچے یمامہ کی بستی واقع تھی۔

مہاجرین کا علم حضرت سالمؓ، مولیٰ حضرت حذیفہؓ اور انصار کا علم حضرت ثابت بن قیسؓ نے اٹھایا ہوا تھا۔ جنگ کے آغاز میں کفار کا پلڑا بھاری رہا اور ایک موقع پر وہ حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ گئے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ نے اپنے جسم پر حنوط مل لیے، کفن پہن لیا اور نصف ساق تک زمین کھود دی۔ آپ نے اپنے ہمراہ انصار کا پرچم لیا اور وہیں ڈٹ گئے اور جام شہادت نوش کیا۔ حضرت ثابت بن قیس دورانِ جہاد یہ الفاظ دہراتے رہے۔

''میری تلوار کا مزہ چکھو، میں تمھیں صبر و استقلال کا حقیقی نمونہ دکھاؤں گا۔''

دورانِ جنگ تیز آندھی چل پڑی۔ ریت کے ذرے اُڑ اُڑ کر اسلامی لشکر کے چہرے پر پڑنے لگے۔ جب کچھ مجاہدین نے اس پریشانی کا اظہار حضرت زید بن خطابؓ سے کیا تو انھوں نے فرمایا:

واللہ میں آج کے دن اُس وقت تک کسی سے بات نہ کروں گا جب تک دشمن کو شکست نہ دے لوں یا اللہ مجھے شہادت عطا نہ فرمانا۔ اے لوگو! آندھی سے بچاؤ کی خاطر اپنی نظریں نیچی کرلو اور ثابت قدم رہ کر لڑو۔

حضرت ابو حذیفہ ارشاد فرما رہے تھے

''اے اہلِ قرآن، اپنے افعال کے ذریعے سے قرآن مجید کو عزت بخشو۔''

یہ فرما کر آپ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور جام شہادت نوش کر لیا۔ حضرت حذیفہؓ کے غلام حضرت سالمؓ بھی اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ مسلمان دینِ حق کی سربلندی اور حصولِ جنت کے لیے جہاد کر رہے تھے لہٰذا بہت استقلال اور ثابت قدمی سے کفار کا مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ بہ غور میدانِ جنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔ آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک مسیلمہ کذاب کو قتل نہیں کیا جائے گا، کفار کا جوش کم نہیں ہوگا۔ آپ مسیلمہ کذاب سے قتال کے لیے آگے بڑھے اور اس تاک میں لگ گئے کہ مسیلمہ کذاب اگر ہاتھ آ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا شعار "یا محمداہ" تھا۔

کفار کا جو بھی شخص حضرت خالد بن ولید کے سامنے آتا وہ قتل ہو جاتا۔ صحابۂ کرام نے جنگ میں انتہائی صبر و استقامت کا ثبوت دیا اور برابر اپنے دشمن کی طرف بڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ مسیلمہ کذاب بھی میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔

میدان جنگ کے نزدیک ہی ایک باغ تھا (اس باغ کو اب تاریخ میں حدیقۃ الموت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) جو کہ مسیلمہ کذاب کی ملکیت تھا۔ اس کے اردگرد مضبوط دیواریں تھیں۔ مسیلمہ کذاب فرار ہو کر اس باغ میں پناہ گزین ہو گیا۔ مسیلمہ کذاب کے لشکر کا ایک سردار محکم بن طفیل مسیلمہ کذاب کی افواج کو بھی اس باغ میں داخل ہونے کی تاکید کر رہا تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے محکم کو قتل کر دیا۔ بنو حنیفہ کی باقی ماندہ فوج نے اس باغ میں داخل ہو کر اس کا دروازہ بند کر دیا۔ صحابہ کرام نے چاروں اطراف سے اس باغ کا محاصرہ کر لیا۔

صحابیِ رسول ﷺ حضرت براء بن مالکؓ نے مسلمانوں سے کہا کہ انھیں اُٹھا کر باغ میں پھینک دیا جائے تاکہ وہ اندر سے دروازہ کھول دیں۔ حضرت براء بن مالکؓ باغ کے اندر کفار سے لڑتے لڑتے باغ کے دروازے تک پہنچ گئے اور دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلنے سے مسلمان مجاہدین باغ کے اندر داخل ہو گئے اور مرتدین کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ مرتدین سے قتال کرتے ہوئے مسلمان مسیلمہ کذاب تک پہنچ گئے۔ حضرت جبیر بن مطعم کے غلام حضرت وحشی بن حرب جنھوں نے غزوۂ اُحد میں سید الشہداء حضرت سیدنا حمزہؓ کو شہید کیا تھا، آگے بڑھے اور اپنا حربہ تاک کر مسیلمہ کذاب کو مارا۔ وہ مسیلمہ کذاب کے جا لگا اور اس ملعون کے بدن کے پار ہو گیا۔ حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہؓ نے اس کو تلوار کے واروں سے جہنم رسید کر دیا۔

اس معرکہ میں تقریباً ۱۲۰۰ مسلمان شہید ہوئے ان میں تین سو ستر مہاجرین، تین سو انصار کے علاوہ دیگر قبائل کے مسلمان بھی تھے۔ شہداء میں تین سو ستر کبار صحابہ اور حفاظِ قرآن شامل تھے۔ تقریباً چالیس قراء بھی شہید ہوئے۔ مستند روایات کے مطابق کفار کے دس ہزار سے زیادہ افراد قتل ہوئے جن میں ان کا سرغنہ ملعون مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا۔

معرکہ یمامہ میں شہید کبار صحابہ کرامؓ میں سے کچھ عظیم ہستیوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ

۲۔ حضرت زید بن خطابؓ

۳۔ حضرت معن بن عدی بلویؓ

۴۔ حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمروؓ

۵۔ حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہ

۶۔ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی الازدی

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(میرزا مظہر جان جاناں)

حوالہ جات

۱۔ نعمت الباری، جلد ششم، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور، ص نمبر ۷۰۳۔۷۰۴

۲۔ الاصابۃ لابن حجر ۱۴۵۔۴/۱۴۴

۳۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ڈاکٹر محمد علی محمد الصلابی، مکتبہ الفرقان، ص ۴۴

۴۔ صحیح البخاری، کتاب فضائلِ اصحاب النبی ﷺ، باب فضل ابی بکر، ۵/۱۱

۵۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ڈاکٹر محمد علی محمد الصلابی، مکتبہ الفرقان، ص ۴۳

۶۔ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان ۱۵/۲۸۰، صحیح اسناد

۷۔ البخاری، فضائل الصحابہ، ص ۳۶۵۶

۸۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی، مکتبہ الفرقان، ص ۱۸

۹۔ صحیح بخاری، ص ۳۶۲۱

۱۰۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۲۲۷

۱۱۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۲۷۳۔۲۷۲

۱۲۔ البدایہ والنھایہ ۶/۳۱۵

۱۳۔ تاریخ طبری ۴/۶۸

۱۴۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۰۱

۱۵۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۱۶

۱۶۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۱۸، بہ حوالہ مسند احمد ۱/۱۸۳

۱۷۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۱۸

۱۸۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، محمد حسین ہیکل، اسلامی کتب خانہ، ص ۱۷۴

۱۹۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۱۹

۲۰۔ البدایہ والنھایہ ۶/۳۲۲

۲۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، محمد حسین ہیکل، ص ۱۷۷
۲۲۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۲۰
۲۳۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، محمد حسین ہیکل، ص ۱۷۹
۲۴۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۲۰
۲۵۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۲۷
۲۶۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، محمد حسین ہیکل، ص ۱۹۰
۲۷۔ نجد میں بنواسد کے علاقے میں ایک چشمہ کا نام ہے
۲۸۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، محمد حسین ہیکل، ص ۲۰۱
۲۹۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۳۱
۳۰۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۳۲
۳۱۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۳۱
۳۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، محمد حسین ہیکل، ص ۱۹۹
۳۳۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۹۹۔۳۹۸
۳۴۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۴۰۔۳۳۹
۳۵۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۴۲
۳۶۔ دارین۔ بحرین کی ایک بستی کا نام ہے۔
۳۷۔ البدایہ والنھایہ ۳۳۳/۶
۳۸۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۴۳
۳۹۔ تفسیر ابنِ کثیر، جلد ۵، ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی، دار القدس، لاہور، ص ۲۹۷
۴۰۔ وبر، بلی سے مشابہہ ایک جانور جس کے کان لمبے ہوتے ہیں۔
۴۱۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۴۹
۴۲۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، شخصیت اور کارنامے، ص ۳۴۹
۴۳۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، محمد حسین ہیکل، ص ۲۱۸
۴۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، محمد حسین ہیکل، ص ۲۲۱

☆☆☆☆

ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار وَالفجار

از: سید احمد الدین گانگوی

محمد ریاض بھیروی ☆

سماع کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ فقہا، صوفیہ اور محدثین کے ہاں شروع سے مختلف فیہ رہا ہے۔ ہر دور میں علما وصوفیا اپنے اپنے مشرب ومسلک کے اعتبار سے آرا کا اظہار کرتے رہے۔

بیسوی صدی کے ابتدائی عشروں میں مسئلہ سماع پر درجنوں کتب ورسائل تالیف کیے گئے۔ جن کی وجہ سے صوفیٔ چشت کے لیے اپنے معمولات پر عمل مشکل بنا دیا گیا۔ فاضل بریلی سے سید عین القضاۃ حیدر آبادی ۲ تک کئی علما نے عدم جواز پر دلائل دیئے۔ چشتی خانقاہوں کے علمی مراکز میں آستانہ عالیہ سیال شریف کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور مجاہد اعظم خواجہ ضیاء الدین سیالوی پنجاب میں امارت شرعیہ کو قائم کر چکے تھے۔ قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم کے فرائض سید احمد الدین گانگوی کے سپرد تھے۔ برصغیر کے کئی علما وصوفیہ نے مسئلہ سماع پر خواجہ ضیاء الدین سیالوی سے وضاحت چاہی۔ خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے ایما پر سید گانگوی نے اس مسئلہ پر انتہائی مبسوط اور مدلل کتاب لکھ کر تمام پہلوؤں کو انتہائی شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا۔ مسئلہ سماع پر مولانا گانگوی کی یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے شائع ہوتے ہی پورے برصغیر میں اخبارات وجرائد میں اس پر تبصرے شائع ہوئے۔ کتاب کے جملہ محاسن وخصائص ایک مبسوط مقالے کے متقاضی ہیں۔ سر دست صرف دو حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے اس کتاب کی تاریخی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار کے بارہ میں حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر (م ۱۹۴۶ء) نے لکھا

> ''چنانچہ ایک رسالہ خیر النواحی فی حرمۃ الملاہی مولوی محمد عین القضاۃ حیدر آبادی نے در بارہ غنا، تصنیف کر کے دلائل حرمتِ غناء کی بھرمار کر دی پھر اس کے جواب میں مولانا احمد الدین گانگوی سیالوی نے رسالہ ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار الفجار تصنیف کر کے رسالہ مذکورہ کے دلائل کے پرخچے اڑا دیئے، یہ رسالہ اس وقت میرے سامنے ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اب اس بارہ میں کسی جدید رسالہ کی تالیف کی ضرورت نہیں ہے''۔ ۳

☆ فاضل علوم اسلامیہ، میانوالی

منیجر رسالہ شمس الاسلام سرگودھا نے لکھا:

''یہ کتاب حضرت مولانا مولوی احمد الدین گانگوی نے بایماء اعلیٰ حضرت سجادہ نشین سیال شریف تحریر فرما کر مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے، مولانا نے کتاب میں مسئلہ سماع پر نہایت محققانہ بحث کرتے ہوئے مخالفین کے دلائل کا ایسا دندان شکن جواب دیا ہے کہ آج تک کسی کو تردید کی جرات نہیں ہو سکی۔ حدیث شریف، آثار، اقوال محدثین وفقہاء، غرض اس مسئلہ کے متعلق معلومات کے دریا کو ایک کوزہ میں بند کر دیا ہے، ملک بھر کے چیدہ اخبارات نے اس پر نہایت عمدہ ریویو کیے ہیں، خاندان چشتیہ کے ساتھ تعلق رکھنے والوں میں سے ہر شخص کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے تا کہ معترضین کے فریب سے محفوظ رہے۔''[۱۲]

نوٹ: کتاب کو فقہی اور تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر قندیل سلیماں کے پلیٹ فارم سے شائع کیا جا رہا ہے۔ سید احمد الدین گانگوی کے احوال وآثار کے لیے راقم کا مقالہ دیکھا جا سکتا ہے۔

متن کتاب

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین و الصلوۃ السلام علی سید المرسلین رحمۃ للعالمین محمد و علیٰ الہٖ واصحابہ و اولا دہ اجمعین ۔امابعد مسکین احمد الدین بن الشیخ غلام علی الحنفی الچشتی السیالوی عرض پرداز ہے کہ ان دنوں میں ایک رسالہ موسومہ بہ خیر النواہی فی حرمتہ الملاہی مولفہ مولنا ،مولوی محمد عین القضاۃ حیدر آبادی بذریعہ بعض احباب بخدمت اقدس سلطان التارکین ،بُرہان العارفین ،امام السالکین ،قدوۃ الواصلین ،ورثۃ الانبیاء و المرسلین ،ملجاء الغرباء والمساکین ،امیر الامراء والسلاطین ،دلیل المتحیرین ،انیس المضطرین ،غوثِ زمان ،قطب العالمین ،سید العلماء ،سند الاولیاء الکاملین ،زبدۃ المحققین ،عمدۃ المدققین ،قبلۂ عالم ،منظورِ حق ،حافظ الملۃ والدین ،حاجی الحرمین الشریفین ،سید المجاہدین غازی الاسلام حامی المسلمین سیدنا وسندنا مولانا ومرشدنا حضرت غازی حافظ شیخ الاسلام خواجہ محمد ضیاء الحق والدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم وفیوضاتہم علینا وعلیٰ سائر المستر شدین الیٰ یوم الدین آمین یارب العالمین مسند آرائے بلدہ طیبہ سیال شریف کے پہنچا۔ حضور ممدوح نے اُس رسالہ کا جواب تو سر دست جناب منشی غلام حیدر صاحب (جو کہ ایک

لائق فائق چیدہ برگزیدہ روزگار ہیں۔ اور مدرسہ شریفہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا محرر ہونے کے علاوہ تمام کاروبار نوشت وخواند اور لنگر شریف کے املاک کی غور و پرداخت انھیں کے سپرد ہے) کو بلا کر مطابق تحقیق رئیس المحققین قدوۃ المدققین جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لکھوا کر ارسال فرمادیا۔ خود حضور مدارج النبوت کو مدِ نظر رکھ کر تقریر فرماتے رہے۔ اور منشی صاحب موصوف تحریر میں لاتے گئے۔ چناں چہ حدیث میں رسالہ تیار ہوگیا۔ جو سراپا احقاق حق وابطال باطل مجسم تھا۔ اُس کے ہوتے ہوئے سالکینِ مسالک علیہ وعارجین معارج رفیعہ کو اپنے معمولات میں رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔ اور نہ ہی مخالفین کو اس کے برخلاف دم مارنے کی طاقت رہے گی۔ حضور قبلۂ عالم کا ارادہ مبارک تو اس مسئلہ میں لکھنے کا بہت کچھ تھا۔ الامشاغل ضروریہ نے اس قدر فرصت دینے سے انکار کیا۔ لہٰذا اس ناچیز بے بضاعت کم استطاعت کو رسالہ خیر النواہی مذکورہ کی تردید کا ارشاد فرمایا تا کہ مخالفین گیدڑ کا پروانہ ہاتھ میں لے کر صوفیہ کرام کو ستاتے اور اہلِ حق کی ایذا رسائی کے گیت نہ گاتے پھریں۔ گو میری حیثیت اور لیاقت تو اتنی نہ تھی کہ ایسے بارگراں کا بوجھ پر سر پر اُٹھاؤں۔ جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

خصوصاً وہ مسئلہ جس کی تنقید پہلے وہ مبارک ہستیاں فرما چکی ہیں جو کہ علوم معقولہ ومنقولہ کے ماہر ہونے کے علاوہ دریائے معرفت کے اعلیٰ شناور ہیں۔ گویا مجمع الابحار ہیں۔

پائے من لنگ است و مرل بس دراز
دستِ من کوتاہ خرما پر نخیل

مگر مقتضاء المامور مجبور ارشاد واجب الانقیاد کی تعمیل میں ہوشیار ہمت باندھ لی۔ ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم یہ خام تحریر اس رسالہ کی جس کو حضور قبلہ عالم نے تالیف فرمایا تفسیر ہے۔

میں امید کرتا ہوں بلکہ یقین سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ باامداد ظاہری و باطنی آں قبلہ دو جہاں کے اللہ تعالیٰ جل جلالہ مجھے اس کار عظیم میں کامیابی اور سرفرازی بخشے گا۔

بلبل از فیضِ گل آموخت سخن ورنہ نبود
ایں ہمہ قول وغزل تعبیہ در منقارش

اور اس رسالہ کو جو محض بغرض اِحقاقِ حق لکھا گیا ہے۔ زیور مقبولیت پہنائے گا۔ فعلی اللہ توکلت والیہ انیب اس رسالہ کا نام ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار رکھا ہے۔ اس کی تحریر گو کتب معتبرہ متفرقہ سے امداد لی گئی ہے۔ الادو کتابیں جو کہ دو جلیل القدر فاضلوں کی تصنیف ہیں جن کی رفعت وجلالت اظہر من الشمس ہے بمقتضاء فرمان واجب

الاذعان تو اس کی تعیین قبل از استدلال ضروری تھی۔ کیوں کہ من جملہ شرائطِ صحت دعویٰ تعیین مدعا بھی ہے۔ جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور کتب مناظرہ میں بخوبی مذکور ہے۔ بہر حال یہ دعوی جناب کا نہ شرعاً قابلِ سماعت ہے اور نہ رواجاً۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق بنا بر اقوال محققین کے کی جاتی ہے۔ جس سے حقیقت منکشف ہوجانے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کہ فاضل معاصر نے کس قدر گستاخی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وباللہ التوفیق

بانگِ دہل بگویم آں حکایت ہا

کہ از نہفتن او دیگِ سینہ میزد جوش

تحقیق المرام فی ہذا المقام یہ ہے کہ سماع میں قدیما وحدیثاً قولاً وفعلاً بڑا اختلاف ہے۔ محدثین وفقہاء وصوفیاء کرام کے اقوال میں اس میں اپنے اپنے مشرب کے مطابق متفرق ہیں۔ اور آئمہ مجتہدین کے افعال واقوال بھی اس بارہ میں مختلف ہیں۔ اور روایات بھی اس میں بکثرت وارد ہیں۔ بعضے حرمت اور بعضے کراہت اور بعضے اباحت اور بعضے استحباب پر دلالت کرتے ہیں اور علماء محققین نے جانبین سے رسائل اور فتاویٰ لکھے ہیں ولکل و جهة هو مو لیها لیکن اگر انصاف کا سرمہ آنکھوں میں لگا کر نظرِ دقیق سے دیکھا جائے تو حق بین بین ہے۔ جس پر فریقین کا اتفاق ہوسکتا ہے۔ اور اختلاف بالکلیہ مرتفع ہوسکتا ہے۔ مگر یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ بلکہ خاص حقائق دان نکتہ شناس کا کام ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو ایں جاست

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سماع خواہ مجرد غنا ہو یا مع المزامیر فی حد ذاتہ مباح اور حلال ہے۔ اس کی ذات میں نہ کوئی حرمت ہے نہ قباحت۔ الا بوجہ لحوق عوارض ذمیمہ کے مذموم ہوجاتا ہے۔ اور اگر اُن عوارض سے معری ہو تو اپنی حلت پر رہتا ہے۔ گویا اس کے دو قسم ہوئے۔ ایک مشروع اور دوسرا غیر مشروع۔ مشروع ان روایات کا محمل ہے جو اباحتِ سماع پر دال ہیں۔ بنا علیہ علی الاطلاق حرمتِ سماع کا فتوے دینا بھی غلط۔ اور علی الاطلاق اباحت سماع کا فتوے بھی غلط۔

سماع مشروع وہ ہے کہ مجلس صلحاء میں بغرضِ صالح استعمال کیا جائے تو اس کی تعیین قبل از استدلال ضروری تھی۔ جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور کتبِ مناظرہ میں بخوبی مذکور ہے۔ بہر حال یہ دعوے جناب کا نہ شرعاً قابلِ سماعت ہے اور نہ رواجا۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق بنا بر اقوال محققین کے کی جاتی ہے۔، جس سے حقیقت منکشف ہوجانے کے بعد معلوم ہوجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ فاضل معاصر نے کس قدر گستاخی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وباللہ التوفیق

سماع مشروع وہ ہے کہ مجلسِ صلحاء میں بغرض صالح استعمال کیا جائے اس کی اباحت میں تو کوئی بھی اہلِ حق شک نہ کرے گا۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ اور کبار صحاب کے افعال واقوال اس کی سرکوبی کر دیں گے اور غیر مشروع وہ ہے جو مجلس فساق میں بغرض لہو ولعب مستعمل ہو۔ اس کی حرمت میں کوئی بھی شک نہیں کرتا۔ اب پہلا قسم سماع بلا تفاق حلال اور دوسرا بلا تفاق

حرام فارتفع الاختلاف من البین باذن رب العالمین اس مدعا کے اثبات میں وجوہات ودلائل پیش کیے جائیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔ لاً پہلے وجہ اختلاف علماء کرام اس سماع میں ذکر کرنی ضروری ہے۔ بعدہ حقیقتِ حال پر روشنی ڈالی جائے گی وباللہ التوفیق۔

وجہ الاختلاف فی السماع:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں وغیرہما فی غیرہما میں ذکر کیا ہے۔ کہ سماع زمانہ قدیم سے عموماً فاسقوں اور شراب خوروں میں رائج تھا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں بھیجا گیا ہوں اور امر کیا گیا ہوں کہ معازف کو محو کردوں اور زنا اور شراب سے منع کردوں ازیں سبب غنا کا نام بھی لہو ہو گیا۔ اور ملاہی کے باب میں اس کو ذکر کرنے لگے۔ پھر جب بحسب تعلیم حضور اقدس ﷺ ان امور منکرہ یعنی شراب خوری کے آثار محو ہو گئے۔ اور منکرات کا ازالہ ہو گیا۔ اور یہ رسم وعادت مسلمانوں میں نہ رہی۔ تو صالحان اور پارسایان بھی اس میں پڑ کر محظوظ ہونے لگے۔ اور فسق و منکرات اور اُن کی مجالس سے پرہیز میں رہے۔ اور دوسری جماعت نے جب دیکھا کہ یہ عادت فاسقوں کی ہے۔ اور اس میں شامل ہونے سے ان سے مشابہت لازم آئے گی۔ اور یہ بھی لحاظ تھا کہ ہمارے خیالات بھی ویسے نہ ہو جائیں۔ تو اس سے پرہیز میں رہے۔ اب اگر شارع سے بایں غرض کوئی وعید یا تہدید وارد ہوئی ہو تو بعید نہیں۔ اور یہ جو محدثین کہتے ہیں کہ سماع کی حرمت میں کوئی نص شارع سے ثابت نہیں ہوئی۔ اور نہ حدیث صحیح آئی ہے۔ ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ علی الاطلاق حرمتِ سماع کی ثابت نہیں ہوگی۔ خواہ مجالس فساق ہو یا صلحاء اور نہ اس کی حرمت ذاتی ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ زنا وشراب کی حرمت ذاتی ثابت ہوئی ہے بلکہ حرمت صرف اسی حالت میں ہے جب مجلسِ فساق بغرض تماشا اور لہو ولعب کے ہو۔

اس حال کی مثال قصہ برتنوں کا ہے۔ جن میں قدیم زمانہ میں شراب کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جن کے نام ختم مزفت نقیر دیا تھے۔ جب شراب حرام ہو گئی۔ تو ان برتنوں کے استعمال سے بھی ممانعت آگئی۔ نہ اس واسطے کہ ان میں کوئی ذاتی قباحت ونجاست تھی۔ ورنہ بعد میں ان کا استعمال مباح نہ ہوتا۔ بلکہ بغرض مٹانے آثار شراب کے پھر جب شراب کی حرمت مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ اور لوگ اس سے بالکل منحرف ہو گئے۔ اور آثار کے مٹانے کی حاجت نہ رہی تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت آگئی۔ مگر پھر بھی ان برتنوں کے بارہ میں علماء کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ بعض ان کی حرمتِ سابقہ پر رہے۔ اور ان کو اجازت جدیدنے کچھ بھی نہ ہلایا۔ اور بعض نے اجازتِ جدید کو قابلِ عمل تصور کر کے اس کو اپنا معمول بہ قرار دیا کما ہو مصرح فی موضعہ۔

اب اس مسئلہ سماع میں بھی علمائے کرام کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک تو بنظرِ عادت ورسمِ قدیم جو کہ مجلسِ فساق کے فروغ دہ ہونے کی وجہ سے احتیاط پر پابند ہو کر ایسے ہی ٹھہر گئے۔ اور تقویٰ اور ورع نے ان کو ایسی مجالس کی حاضری سے

روک رکھا۔ تاہم اس سے حرمتِ سماع ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اگر کوئی شخص اطعمہ لذیذہ کھانے سے اس غرض سے پرہیز کرے۔ کہ شاید نفسِ امارہ تازگی میں آ کر کہیں غالب نہ ہو جائے۔ تو اس سے اس کھانے کی حرمت کب ثابت ہوتی ہے کلا وحاشا اور دوسرے فریق نے حقیقتِ حال سے واقف ہو کر یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ اگر اس میں علامات فسق و فجور ہیں تو حرام ہے ورنہ حلال ہے۔ اصل حقیقتِ حال تو یہ ہے۔ آگے فاضل معاصر جیسے فہیم انسان کے ہاتھ میں قلم آ گئی جو دل میں آیا لکھ دیا۔

الاستدلال علیٰ اباحۃِ السّماع:

پیشتر مذکور ہوا۔ کہ سماع کے دو قسم ہیں۔ مشروع و غیر مشروع۔ غیر مشروع کے دلائل و جوہات تو فاضل معاصر نے اپنے رسالہ میں بڑی دھوم دھام سے بھرپور کر دیے ہیں۔ ان کے دوہرانے کی کوئی حاجت نہیں۔ لہٰذا سماع مشروع کے چند وجوہات و دلائل بطور مشت نمونہ خروارے ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔ اور اس کا فیصلہ ان کی فطرت سلیمہ پر رکھا گیا ہے۔

الاول اصل حلت و اباحت سماع کی دلیل یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔ کہ خود جناب سرور کائنات ﷺ نے فتح مکہ کے روز سورۃ فتح کو ترجیع کے ساتھ تلاوت فرمایا۔ گو بعض شراح اس حدیث کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ یہ ترجیع اختیاری یعنی غنا نہیں تھا۔ بلکہ اضطراری بوجہ جنبش ناقہ جس پر آپ سوار تھے ہوئی تھی۔ لیکن اس تاویل کو شیخ محدث نے رد کر دیا۔ اور کہا کہ اگر ترجیع اختیاری نہ ہوتی تو عبداللہ بن مغفل اس کو حکایت نہ کرتے۔ تاکہ لوگ اس کے ساتھ اقتدا کریں۔ اور ترجیع کو حضور کی طرف نسبت نہ کرتے۔ علاوہ ازیں احادیثِ ذیلہ قولیہ میں صریحاً تغنی بالقرآن کی ترغیب دی گئی ہے۔

(۱) زَیِّنُوا القُرْآنَ بِاَصواتِکُمْ یعنی زینت دہید قرآن را با آوازہائے خود۔ یعنی قرآن شریف کو خوش آواز سے پڑھ کر زینت دیا کرو۔

(۲) لَیسَ مِنّا من لَم یتغَنّ بالقرآنِ یعنی جو شخص قرآن کو بغیر راگ کے پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں ہے۔

(۳) لِکُلِ شیءٍ حِلیۃٌ و حلیۃُ القرآنِ حُسنُ الصوتِ ۔ یعنی ہر چیز کے لیے زیور ہیں۔ اور قرآنِ شریف کا زیور خوش آوازی ہے۔

(۴) ایک رات ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (کہ بڑے خوش آواز تھے۔ اور خوش خواں بھی۔ اور حضورِ کریم ﷺ نے اس کے حق میں فرمایا ہے اُعطی مزمارا من مزامیر آل داود) قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اور جناب رسول خدا ﷺ خفیہ طور سنتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے ابوموسیٰ کو اطلاع دی۔ ابوموسیٰ نے کہا کہ افسوس اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میرا قرآن شریف سنتے ہیں۔ تو میں زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا۔

فائدہ: اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض غناء کے ساتھ قرآن شریف کو پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔ خواہ اس

میں افراط اور شباع حرکات میں کیوں نہ آجائے خواہ قوانین موسیقی یعنی راگ کے ساتھ بھی پڑھا جائے۔اور بعض مطلقاً منع کرتے ہیں۔اور حق جو کہ انصاف کا دائرہ کا مرکز ہے۔وہ یہ ہے کہ خوش الحانی اور تغنی بالقرآن کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بدون تکلف و تصنع کے خود بخود صادر ہوتی جائے۔جیسا کہ ابو موسیٰ سے ہوتی تھی۔دوسرے یہ کہ تصنع کے ساتھ ہی کیا جائے۔پہلا قسم جائز بلکہ مستحسن ہے۔اور دوسرا نا جائز الکل فی المدارج۔

الثانی یہ کہ امام بخاری نے ربیع بنت معوذ سے روایت کیا ہے کہ جب میری شادی ہوگئی تو سرور دو جہاں ﷺ میرے پاس تشریف لا کر بیٹھ گئے۔اتنے میں دو لڑکیاں آ کر دف بجانے اور شہدائے بدر کے محاسن گانے شروع کر دے۔اتنے میں ان میں سے ایک نے یہ مصرع پڑھا۔

و فینا نبی یعلم ما فی الغد یعنی ہمارے بیچ میں نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ اس لفظ کو چھوڑ دو۔اور پہلا مضمون گاتے چلیو۔

الثالث یہ کہ امام بخاری نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔کہ ایک عورت کی شادی ایک مرد انصاری کے ساتھ کی گئی۔آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ لہو یعنی گانا بجانا کیوں نہیں۔کیوں کہ انصار لوگ لہو کو پسند کرتے ہیں۔

الرابع یہ کہ امام مسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔کہ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس دو لڑکیاں گاتی اور دف بجاتی تھیں۔اور سرور عالم ﷺ نے منہ مبارک پر کپڑا اوڑھا ہوا تھا۔ابوبکر نے ان کو منع کیا آپ نے منہ مبارک سے کپڑا اتار کر فرمایا۔چھوڑ و ان کو اے ابوبکر عید کے ایام ہیں۔

الخامس یہ کہ امام احمد و ترمذی و نسائی و ابنِ ماجہ حاطب سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ فصل مابین حلال و حرام کے آواز (گانا) اور دف کا بجانا ہے۔مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ جس نکاح میں گانا اور بجانا ہو وہ جائز ہوتا ہے۔ اور جس میں یہ نہ ہوں تو وہ نکاح کالعدم ہے۔

السادس یہ کہ ابنِ ماجہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کی کسی انصاری کے ساتھ شادی کر دی۔حضور کریم ﷺ جب تشریف لائے پوچھا کہ تم نے عورت کو بھیج دیا ہے یعنی اس کی شادی ہوگئی۔عرض کیا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ کوئی گانے والی بھیجی یا نہ۔عرض کیا کہ نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوم انصار کو گانے کا بڑا شوق ہے۔اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا آدمی ہوتا۔تو یہ شعر گاتا جاتا تو اچھا ہوتا۔

اتینا کم اتینا کم

فحیانا و حیاکم

یعنی آتے ہیں ہم تمہارے پاس آتے ہیں ہم تمہارے پاس۔پس مبارک ہو ہمیں اور مبارک ہو تمہیں۔

السابع یہ کہ ابنِ ماجہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول خدا ﷺ مدینہ طیبہ کے کسی محلہ میں

تشریف لے جارہے تھے۔وہاں عورتیں یہ شعر دف اور راگ کے ساتھ گاتی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

یعنی ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔محمد ﷺ ہمارے عجیب پڑوسی ہیں۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔کہ میں تم کو دوست رکھتا ہوں۔

الثامن یہ کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ جب رسول خدا ﷺ جنگ تبوک سے بفتح ونصرت واپس تشریف لائے تو عورتوں نے مبارک بادی میں یہ شعر پڑھا۔

طلع البدر علینا من ثنیة الوداع

وجب الشکر علینا مادعی لله الدع

یعنی ثنیۃ الوداع سے ہم پر چاند طلوع کیا۔ہم پر شکر واجب ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والا دعا مانگے۔

التاسع یہ کہ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کی کھودائی کے وقت صحابہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

نحن الذین بایعو محمدا

علی الجهاد مابقینا ابدا

یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جہاد پر بیعت کی جب تک زندہ رہیں گے۔اور حضور کریم ﷺ ان کے جواب میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

والله لو لاالله ما اهتد ینا

ولا تصدقنا و لا صلینا

وانزلن سکینة علینا

وثبت الا قدام ان لاقینا

ان الا ولی قد بغو علینا

اذا اراد و افتنة احینا

اور کلمہ احینا کو بار بار دوہراتے۔اور آواز کو بلند فرماتے تھے ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے۔خدا کی قسم ہے کہ اگر خدا نہ ہوتا تو ہم ہدایت پر نہ آتے۔اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔یا اللہ ہمارے اوپر سکینت نازل کر۔اور جب ہم دشمنوں کا مقابلہ کریں تو ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔یہ لوگ ہمارے اوپر بغاوت کرتے ہیں۔جب فتنہ کا ارادہ کریں تو ہم انکار کرتے ہیں۔

علیٰ ہٰذا القیاس اس مضمون کی احادیث کو اگر لکھا جاوے تو ایک دفتر وسیع چاہیے لہٰذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے والعاقل تکفیہ الاشارۃ

الحاصل ان احادیث کی عبارت النص نے مواقعات ذیلہ میں گانے بجانے کو ثابت کر دیا۔

(۱) شادی کے وقت عام ازیں کہ خاص بوقت انعقاد نکاح ہو جیسا کہ احادیث میں مروی ہے ایلنو النکاح ولو بالدف یعنی ظاہر کرو نکاح کو اگر چہ دف کے ساتھ بھی ہو۔ یا بوقتِ زفاف یا بعد ازاں

(۲) خوشی مباحہ کی مبارکبادی کے وقت

(۳) خوشی پہنچنے کے وقت

(۴) دوستوں کی ملاقات کے وقت

(۵) کسی نیک کام کی تحریص و ترغیب کے وقت

اوران کی اشارۃ النص نے مواقعاتِ ذیلہ میں گانے بجانے کی اجازت دے دی۔ اور حقیقت بتلا دی۔

(۶) ولیمہ کے وقت

(۷) عقیقہ کے وقت

(۸) ختنہ کے وقت

(۹) اعراس بزرگانِ دین کے وقت

(۱۰) ختم قرآنِ شریف کے وقت

(۱۱) ولادت لڑکا کے وقت جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے۔

فائدہ واضح ہو کہ اعراسِ بزرگانِ دین میں جو سماع مروج ہے وہ بھی انھیں احادیث سے مستنبط ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا شیخ الہند مولوی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ لفظ عرس اس حدیث سے ماخوذ ہے نَم کنومة العروس یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر، کیوں کہ موت مقبولانِ الٰہی کے حق میں وصال کی دو لحاظ سے مشروعیت ہوگی۔ اول یہ کہ اس دن اس بزرگ کا وصال ہوا ہے الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب چوں کہ دوستوں کی ملاقات کے وقت سماع ماثور و منقول ہے کہ جیسا کہ احادیثِ سابقہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ تو اولیائے کرام جنھوں نے تمام عمر محبتِ الٰہی میں فنا کر دی۔ جب وہ اپنے محبوب کو ملیں اس دن سماع نہایت مستحسن ہوگا۔ وہ نہایت ہی خوشی کا دن ہے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم
راحت جان طلبم بر در جاناں بردم

دوئم یہ کہ ایسے موقعہ میں ہزاروں صلحاو اولیا جمع ہو کر آپس میں ملتے جلتے ہیں یہ دن ان کے لیے وصال مہجورین کا روز ہے۔ تو اس لحاظ سے بھی سماع مستحسن ہوگا۔

الحاصل اس بیان بسیط سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضور کریم ﷺ کے سامنے آپ کی اجازت سے غنا مع المزامیر کا استعمال کیا گیا۔ بلکہ خود حضور ﷺ نے کلام الٰہی کو خوشی فتح میں اسی لہجہ سے پڑھا اور ابو موسیٰ اشعری سے بھی خوش الحانی سے سنا۔ اور خوش الحانی سے پڑھنے کی ترغیب بھی دی۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس طرح نہ پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں اور اشعار مناسبہ خود بھی پڑھے۔ اور صحابہ کبار کے ساتھ مشاعرہ بھی فرمایا۔ اب بتلایئے کہ وہ کون سی چیز باقی رہی جس کو فاضل معاصر حرمت کا حکم لگا بیٹھے ہیں۔ فعلِ رسولِ اکرم ﷺ کو تو کسی کی مجال نہیں کہ حرام کہہ سکے۔ اب قرآن شریف کو راگ سے پڑھنا اور اس کو کان دھر کر سننا اور اشعار کا پڑھنا اور سننا اور دف بجانا یہ سب تو طیب حلال ہیں۔ باقی حرمت کس کے حصہ میں آئے گی۔ البتہ وہ اشعار جن کا مضمون مذموم ہو یا وہ سماع جو محافل فساق میں بغرض لہو و لعب ہو تو اس کی حرمت و قباحت پر تو اتفاق ہے۔ لیکن غنا کو علی الاطلاق حرام کہہ دینا ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

من نمیدانم کہ ایں سخن ترا تقریر چیست
خود بگو آخر ز تقریر سخن اے بوالہوس

قال اور ایسا ہی جتنے آلات ملاہی ہیں جن کو معازف کہتے ہیں۔ سب حرام ہیں۔

اقول و باللہ التوفیق یہاں تو جناب نے حرمتِ معازف کی ایسی تعمیم کی جس سے کسی جزئی کے نکلنے کا احتمال تک نہ چھوڑا۔ لیکن آگے جا کر بعض معازف کو اس حرمت سے مستثنیٰ کر بیٹھے۔ لہٰذا اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر اس حرمت کی تعمیم ہی مقصود تھی تو پھر تخصیص کیسی۔ اور اگر تخصیص ہی منظور تھی۔ تو یہاں ایسی تاکیدی تعمیم کیسی۔ بہر کیف یہ دعویٰ بھی قابلِ ترمیم ہے۔

مزن بے تامل بگفتار دوم
نکو گوے گر دیر گوئی چہ غم

باقی رہی معازف کی حلت یا حرمت۔ اس کی نسبت ذرا کان رکھ کر سنیے۔

تحقیق المرام فی ھذا المقام یہ ہے کہ فی الاصل و فی حد ذاتہ تمام انواع معازف و مزامیر مباح ہیں۔ ان میں ذاتی حرمت ہرگز نہیں۔ بلکہ عوارض ملحقہ کی وجہ سے کبھی حرمت عارض ہو جاتی ہے۔ اور ان عوارض مذمومہ کا عنقریب ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ تو گویا مزامیر بھی دو قسم ہیں ایک مشروع دوسرے غیر مشروع۔ یعنی اگر عوارض ذمیمہ سے معریٰ ہیں تو

مشروع ہیں۔ اور اگر عوارض ذمیمہ کے ساتھ ملحق ہیں تو غیر مشروع۔ اب جن روایات کا مفاد اباحت ہے ان کا محمل پہلا قسم ہوگا اور جن کا مدلول حرمت ہے ان کا محمل دوسرا قسم ہوگا فحصل الوفاق و ارتفع الشقاق اور چونکہ فاضل معاصر نے روایات محرمہ کو اپنے رسالہ میں بکثرت ذکر کردیا ہے۔ اس لیے ان سے اعراض کر کے صرف روایات محللہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس سے ناظرین خود فیصلہ کر کے میرے مدعا کی تائید کردیں گے۔

الاستدلال حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت نے حضور کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نذر کی وفا کرو یعنی میرے روبرو دف بجا رواہ ابوداؤد اور یہ بھی حدیث شریف ہے

لانذر فی معصیة رواہ ابو داود و الترمذی والنسائی یعنی گناہ کے کام کی اگر نذر مانی جائے تو اس کی وفا لازم نہیں ہوتی۔ تو ان دونوں صورتوں سے مابہ الاشتراک اباحت دف علی الاطلاق ثابت ہوگیا۔ ورنہ وفاً نذر کا حکم نہ فرماتے نیز احادیثِ متقدمہ سے بخوبی روشن ہوا کہ حضور کریم ﷺ کے زمانہ میں دف مواقع مختلفہ میں آپ کے حکم سے بجائی گئی ہے۔ اگر حرام ہوتی تو آپ بنفسِ نفیس اس کو ہرگز نہ سنتے۔

دوسرا قسم معازف کا عود ہے جس کو بربط بھی کہتے ہیں۔ اور اس کی تاریں ہوتی ہیں۔ جن کو زیر و بم کہتے ہیں۔ اور غیاث اللغات میں ہے کہ عود کو ہندی میں طنبور اور رباب کہتے ہیں۔

شیخ محدث دہلوی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن جعفر و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر و معاویہ بن ابی سفیان و عمرو بن عاص و حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان جملہ صحابہ کبار سے منقول ہے کہ بربط کو سنا کرتے تھے۔ اور غیر صحابہ سے عبدالرحمٰن بن حسان و خارجہ بن زید جو فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں ان سے بھی اس کا سماع منقول ہے۔ اور استاد ابومنصور نے زہری و سعید بن مسیب و عطا بن ابی رباح و شعبی و دعبداللہ بن ابی عتیق و اکثر فقہائے مدینہ منورہ سے اس کا سماع نقل کیا ہے۔ اور جلیلی نے عبدالعزیز بن ماجشون سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ عود کے سننے میں رُخصت دیتے تھے۔ ابراہیم بن سعد نے ایک دن رشید کے پاس آ کر عود طلب کیا۔ رشید نے پوچھا کہ عود مرمر یا مجمر۔ ابراہیم نے کہا کہ عودِ مرمر۔ تو رشید نے سرود عود حاضر کردیا۔ جس کو اس نے خوب بجایا۔ اور غنا و عود کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا۔ اور ابنِ سمعانی نے طاؤس سے اس کے جواز کو نقل کیا ہے۔ اور فاکہی نے تاریخ مکہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن موسیٰ بن معمر نے عطا بن ابی رباح کو بلایا۔ جب وہ آئے تو وہاں کچھ لوگ گاتے تھے۔ اور عود بجاتے تھے۔ ان کے آنے سے وہ رک گئے۔ انھوں نے کہا کہ جب تک گائیں بجائیں نہیں تو ہرگز نہ بیٹھوں گا۔ پھر انھوں نے اسی طرح گانا بجانا شروع کردیا۔ وہ بیٹھ کر سنتے رہے۔

ان روایات سے عود کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔ کیوں کہ اگر حرام ہوتا ایسے جلیل القدر صحابہ و تابعین و فقہا و متورعین و محدثین اس کو ہرگز نہ سنتے۔ یہ ہمارے مقتدا و پیشوا ہیں۔ اُن کے افعال و اقوال ہمارے لیے سند ہیں۔ ان کے افعال

ہوائے شہوانی وخواہش نفسانی پر ہرگز محمول نہیں ہو سکتے۔ تو ضرور ہے کہ ان اکابر کو شارع کی اجازت کا علم ہوگا۔ ورنہ ایسا کام جو خلاف شریعت ہو ان سے ابعد بمراحل ہے فثبت ان العود حلال مباح سما عها۔

جب دف اور عود کی اباحت وحلت صریحاً ثابت ہوگئی۔ تو باقی جمیع اقسام مزامیر ومعازف کو ان پر قیاس کر کے جملہ مزامیر کو حلال ومباح سمجھا جائے گا۔ اور جہاں تک ان سے کوئی عوارض ذمیمہ عارض نہ ہو تو اُن کو حرام نہ کہا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ مزامیر کے آواز دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو ان سے غرض تشہیر ہوتی ہے یا تطریب۔ پہلی صورت دف میں موجود ہے۔ اور دوسری عود میں۔ پس جو آلات مشہرہ ہیں وہ تمام دف پر مقیس ہوں گے۔ اور جو مطربہ ہیں وہ عود پر۔ اور مابہ الاشتراک ان کے وہی دوامر ہیں جو مذکور ہوئے۔ ہاں اگر بغرض لہو ولعب بجائے جائیں تو اُن کی حرمت عارضی ہوگی نہ ذاتی۔ اور یہ حرمت جمیع انواع مزامیر کو شامل ہوگی خواہ دف ہو یا عود یا غیر اس کے۔ اب اس مدعا کی تصدیق کے لیے روایات فقہیہ ذکر کیے جاتے ہیں۔

علامہ شامی نے ردالمختار میں کہا ہے والطبل ازا کان لغیر اللهو فلا باس به کطبل الغزاة والعرس لما فی الا جناس ولا باس ان یکون لیلة العرس دف یضرب به لیعلن به النکاح و فی الو لو ا لجیة یعنی طبل اگر بغرض لہو نہ ہو تو کوئی خوف نہیں مثل طبل غازیوں اور شادی کے کیوں کہ اجناس میں ہے کہ کوئی خوف نہیں کہ شادی کی رات دف بجائی جائے۔ تا کہ اس نکاح کا اعلان کیا جاوے۔

اور ولوالجیۃ میں ہے

وان کان للغزو والقافلة یحوز اتقانی ملخصا انتهی کتاب الاحاره

کہ اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہے اسی طرح اتقانی میں مختصراً۔

اور فتاوئی ہندیہ میں ہے رحل استاجر رحلا لیضرب الطبلان کان للهو لایحوز وان کان الغزد والقافلة یحوز کذا فی غایة البیان انتهی

اور ولوالجیہ میں ہے

رحل استاجر ورحلا یضرب له الطبل ان کان للهولا یحوز وان کان للغزو والقافلة یحوز لانه طاعة انتهی ونقل من العتاب قال ابوبکر الوراق لکل قوم مزامیر ومزامیر العرب والعراق والخراسان الدف وما یلتوی به کالضج والناء ومزامیر البدوی الدهل وما یلتوی به ومزامیر اهل الهند الدخص وهو ثنیء یتخذ من الخذف محوف مطول له طرفان یمینه اشد صوتا من الیسار یقال له بالفارسیة مندل وهو دهل الهند وما یلتوی

به والشرع اباحة حالة التزوج اما قبله وبعده فحرام كذا فى ملتقط

النسفى انتهى ۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے اگر کسی نے کسی طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔ اگر بغرضِ لہو تو جائز نہیں اور اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح غایۃ البیان میں ہے اور ولوالجیہ میں ہے اگر کسی نے کسی کو طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔ اگر لہو کے لیے ہو تو ناجائز ہے اور اگر غازیوں یا قافلہ کے لیے ہو تو جائز ہے۔ کیوں کہ یہ طاعت اور عبادت ہے اور عتاب ہے۔ منقول ہے کہ ابوبکر وراق نے کہا ہے کہ ہر قوم کے مزامیر ہیں اور عرب وعراق وخراسان کا مزامیر دف ہے۔ اُس کے مشابہ مثل ضنج اور بدوی کے مزامیر دہل یعنی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور اہلِ ہند کا مزامیر دخص ہے۔ وہ ایک خذف سے بنی ہوئی میان خالی۔ جس کی دو طرفیں ہوتی ہیں۔ دائیں کا آواز بائیں سے زیادہ ہوتا ہے اس کو فارسی میں سندل کہتے ہیں۔ وہ ہندی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور شریعت نے اس کو شادی میں مباح کیا ہے۔ آگے پیچھے حرام۔

میرے مدعا کی فقہاءِ حنفیہ نے پوری پوری تصدیق کر دی ہے۔ یعنی شادی وغیرہ امورِ شرعیہ میں صرف دف کی خصوصیت نہیں بلکہ جملہ مزامیر اس میں علی السو جائز۔ غرض ہر حال کسی آلات مزامیر کی حرمت ذاتی نہیں۔ اگر ہے تو بوجہ عوارض ذمیمہ لاحق ہو جاتی ہے۔ اگر اس پر بھی آپ کو تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم اس کی سند پیش کرتے ہیں جس سے بشرط انصاف آپ کو پورا اطمینان ہو جائے گا۔ شامی رد المختار میں لکھتے ہیں:

هذا يفيد ان الة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها وبه تشعر الاضافة الا ترى ان ضربة تلك الالة بعينها حل تارة وحرم اخرى باختلاف النية والامور بمقاصدها وفيه دليل لسادا تنا الصوفية الذين يقصد وان بسماعها اموراهم اعلم بها فلا يبادر المعترض باالانكار وكيلا يحرم بركتهم فانهم السادة الاخيار امدنا الله تعالى بامداداتهم واعاد علينا من صالح دعواتهم وبركاتهم انتهى۔

یعنی اس سے ثابت ہوا کہ مزامیر میں ذاتی حرمت کوئی بھی نہیں۔ بلکہ لہو کی نیت ہونے سے آ جاتی ہے۔ خواہ سننے والے سے یا بجانے والے سے اور لہو کی اضافت حدیث کی طرف سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھئے کبھی یہ خاص مزامیر حلال ہوتے ہیں اور کبھی حرام بوجہ اختلاف نیت کے اور کام نیت پر منحصر ہوتے ہیں۔ اس میں ہمارے صوفیائے کرام کی دلیل ہے کہ ان کی نیت اس سماع میں وہ ہوتی ہے جو خود ہی جانتے ہیں۔ پس کسی کو مناسب نہیں کہ ان پر انکار کرے مبادا کہ ان کی برکات سے محروم ہو جائے۔ وہ اچھے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد ہم پر بھیجے اور ان کی نیک دُعائیں و برکات ہم پر اُتارے۔

لیجیے اب تو علامہ شامی نے آپ کے تمام شکوک رفع کر دیے اور فاضل کے دعوے کی بیخ کنی کر دی۔ پھر سنیئے امام غزالی نے احیاء میں لکھا ہے کہ کسی مزامیر کی حرمت بالکل ثابت نہیں۔ خواہ دف ہو یا طبل یا غیر اس کا مگر وہ کہ جس سے منع شرعی وارد ہوئی ہو۔ نہ اس واسطے کہ ان سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ تمام لذیذ چیزیں حرام ہوتیں۔ بلکہ واسطے مقارنت محرمات یعنی لہو و لعب و شراب وغیرہ کے۔ میں حیران ہوں کہ فاضل معاصر کس گھمنڈ میں اگر علی الاطلاق حرمت جمیع انواع مزامیر کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ محدثین اور فقہا کی بات نہ سننے کے علاوہ اپنے استاد مولانا مولوی عبدالحی لکھنوی کی بات کی پروا نہ کی۔ بلکہ صاف مخالفت کی جیسا کہ وہ مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۵ میں لکھتے ہیں:

وما نقل عن بعض انهم يحرمون المعازف كلها ويستدلون بالحديث قول لايعباء به منشائه عدم معرفتهم بكتب الحديث والفقه انتہٰی۔

یعنی یہ جو بعض سے منقول ہے کہ جملہ معازف کو حرام کہتے ہیں اور حدیث شریف سے استدلال پکڑتے ہیں یہ قول ان کا غیر معتبر ہے۔ اس کی منشا اور وجہ یہ ہے کہ کتبِ حدیث اور فقہ کی مہارت نہیں رکھتے۔

اس بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ مزامیر فی الاصل حرام نہیں ہیں۔ بلکہ مباح ہیں بوجہ عوارض لاحقہ کے البتہ حرام ہو جاتے ہیں۔

العوارض المحّرمة للسّماع

پہلے مشرحاً مذکور ہوا کہ غنا خواہ مجرد ہو یا مع المزامیر فی نفسہ مباح ہے۔ اس میں ذاتی حرمت یا کراہت ہرگز نہیں۔ البتہ عوارضِ مذمومہ کے سبب سے حرمت یا کراہت لاحق ہو جاتی ہے اور جب ان عوارض سے مبرا ہو تو نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ مباح ہے اور عوارض بحسب تصریح امام غزالی پانچ ہیں اور ایک زیادہ کیا گیا ہے۔ کل چھ ہیں:

☆ یہ کہ مغنیہ عورت نامحرمہ ہو جس کی طرف نظر کرنا اور اُس کا آواز سننا بوجہ خوف فتنہ شرعاً ناجائز ہو۔ یا نابالغ لڑکا صبیح الوجہ ہو جو محلِ شہوت ہونے کی وجہ سے مثل عورتوں کے ہو۔ ان سے سننا حرام ہے نہ اس واسطے کہ غنا حرام ہے۔ بلکہ خوفِ فتنہ سے۔ کیونکہ ایسوں سے بات چیت کرنا بلکہ قرآن شریف کا سننا بھی ناجائز ہے۔ اب اگر خوف فتنہ نہ ہو تو حرام نہیں ہے۔

☆ یہ کہ مزامیر ایسے ہوں جن کی خصوصیت شراب خوروں اور مخنثوں کے ساتھ ہو جن کے استعمال سے اُن کی مشابہت لازم آتی ہو اور اگر ایسے نہ ہوں تو حرام نہیں۔ یعنی جو مزامیر صلحا کی مجالس میں مروج ہو گئے ہوں تو ان کی حرمت نہیں رہتی۔

☆ یہ کہ اس مجلس میں قوال ایسی غزلیں پڑھیں جن میں فحش اور بے ہودہ بکواس ہو یا کسی مسلمان کی ہجو ہو یا خداوند تعالیٰ یا

رسول پاک ﷺ پر افترا ہو یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان ہو جیسا کہ روافض وغیرہ کرتے ہیں۔ ایسا سماع خواہ منظوم ہو یا منثورہ خواہ خوش الحانی سے ہو یا نہ، سب حرام ہے۔ قائل اور سامع دونوں شریک فی الاثم ہوں گے یا کسی عورت خاص کی وصف مردوں میں کی جائے یہ سب کے سب حرام ہیں۔

☆ یہ کہ سننے والے پر شہوت غالب ہو اور بدخیال ہو۔ اس حد تک کہ اشعار محمودہ کو محافل مذمومہ پر متہمل کر کے اپنی عاقبت خراب کرے۔

☆ یہ کہ سننے والا عامی شخص ہو جس کو حلاوتِ عشق ہرگز نہیں۔ صرف قوالوں کے منہ کی طرف تکتا رہے اور مضامین تک اُس کی رسائی نہ ہو۔ (احیاء)

☆ قوال یا سامعین کی نیت لہو ولعب ہو اور مجلسِ فساق واوباش ہو۔ جو کھیل کی غرض سے منعقد ہو اور اوقاتِ مخصوصہ میں عباداتِ مفروضہ کی ادائی میں قصور ہو جائے۔ اسی کی طرف کلام الٰہی کا اشارہ بحسب تصریح بعض مفسرین ہے لیضل عن سبیل اللّٰہان عوارض کے لحوق کی وجہ سے سماع حرام ہو جاتا ہے اور اسی پر محمول ہیں تمام عبارات کتب فقہ وحدیث جن میں حرمت سماع مذکور ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مواقع السّماع

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ سات موقعے ہیں جن میں اغراض مخصوصہ کے لیے سماع مشروع ومروج ہے:

(اوّل) غناء الحجیج یعنی حاجیوں کے لیے گانا۔ کیوں کہ وہ پہلے شہروں میں طبل اور شاہین لے کر گاتے بجاتے ہیں۔ چوں کہ اس میں ایسے اشعار ونظمیں پڑھے جاتے ہیں جو وصف کعبہ ومقام ابراہیم وحطیم وزمزم وباقی مشاعر پر شامل ہوں جس سے سامعین کو حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سماع محمود ومستحسن ہوگی۔ لان الباعث علی الخیر خیر

(دوئم) غناء القراۃ یعنی نمازیوں کا راگ چونکہ اس میں بھی تحریص وترغیب جہاد کی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غنا بھی اعلیٰ درجہ کا مشروع ومستحسن ہوگا۔ الا اس میں راگ کچھ قدر جوشیلا اور الفاظ بھی ایسے ہوتے ہیں جن سے شجاعت بھڑکے اور کفار پر غصہ وغضب جوش مارے۔ یہاں تک کہ اپنی جان ومال کو اُن کے مقابلہ میں ناچیز سمجھے۔ جیسا کہ دیوان متنبی میں ہے:

یری الجبناء ان الجبن حزم

وتلك خديعة الطبع اللئيم

یعنی بزدل گمان کرتا ہے کہ بزدلی اچھی چیز ہے اور یہ طبع نامبارک کی فریب ہے۔

(سوئم) وہ غنا جو بہادرانِ اسلام بوقتِ مقابلہ کفار کے کہا کرتے ہیں۔ غرض اُن سے تقویتِ قلوب مجاہدین و

تضعیف دل کفار ہوتی ہے لیکن اس میں یہ بھی شرط ہے کہ راگ اور آواز نرم اور باریک نہ ہوں اور نہ مزامیر ایسے ہوں جن کے نرم اور حسین آواز ہوتے ہیں۔ بلکہ جابر آواز ہونا چاہیے اور یہ غنا جہاد مباح میں مباح ہے اور واجب میں واجب اور اگر اہل اسلام کے ساتھ مقابلہ ہو تو حرام ہے اور یہ غناء بہادرانِ اسلام صحابہ وغیرہ سے بکثرت منقول ہے۔ حضرت علی کے اشعار زبان زد خلائق ہیں۔

(چہارم) غنا نیاحت: یہ دو قسم ہے۔ مذموم و محمود، مذموم وہ ہے کہ کسی چیز کے تلف ہونے یا کسی شخص کی وفات پر کی جاوے قال اللّٰہ تعالٰی لکیلا تاسوا علی ما فاتکم اور حدیث شریف میں بھی اس کی مذمت موجود ہے اور محمود وہ ہے جو انسان اپنے قصورات دینی پر افسوس ظاہر کرے اور اپنے گناہوں پر روئے اور نوحہ کرے۔ جیسا کہ حضرت آدم و نوح و داؤد علیہم السلام کے واقعات مشہور ہیں۔

فائدہ: بناء علیہ یہ جو واعظین منبر پر چڑھ کر آواز مرقق و محزن سے تقریریں کرتے ہیں جن سے لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا ہوتا ہے اور روتے ہیں یہ بھی محمود ہے۔

(پنجم) غنا السرور یعنی خوشی کے اوقات میں گانا بجانا۔ جیسے پہلے اس کی تشریح ہو چکی ہے۔ مثلاً عید، شادی ولیمہ، عقیقہ، اعراسِ بزرگان، کسی دوست کی آمد مبارک بادی، لڑکا کی پیدائش و ختنہ، قرآن شریف کا ختم وغیرہ وغیرہ جو جو خوشیاں محمود ہیں اُن کا اظہار بھی بذریعہ غنا محمود ہے۔

(ششم) سماع العشاق۔ واسطے تحریک شوق و بھڑکانے عشق کے اگر عشق محمود ہے تو غنا بھی محمود ہو گا ورنہ مذموم۔

(ہفتم) غنا عاشقانِ انوار الٰہی و غریقان ابحار نامتناہی ایسے لوگوں کے حق میں سماع ایک روحانی غذا ہے۔ جب تک نہ لے جاں بلب ہو جاتے ہیں مراتب میں عقدے پڑ جاتے ہیں۔ مل جائے تو تر و تازہ ہو جاتے عقدے کھل جاتے ہیں۔ عبادت میں چست و چالاک ہو جاتے ہیں۔ تمام خیالات سوائے لقائے محبوب کے محو ہو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت خواجہ حافظ فرماتے ہیں:

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیزہا
تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس

اس حال کی آگاہی صرف اسی شخص کو ہو گی جس نے اس کا مزہ چکھا اور جس کو اس نعمت عظمیٰ سے محرومی ہے وہ انکار کر کے اپنے آپ کو دائمی بدنصیبی کا سزاوار بناتے ہیں۔ اس حال کو صوفیا کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے جو وجود سے ماخوذ ہے۔ یعنی سماع سے پہلے یہ حالت نہ تھی۔ اب سماع کی برکت سے موجود ہوئی۔ اس سے دل تمام کدورات سے مصفا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سونا و چاندی کی کدورت آگ میں ڈالنے سے جل جاتی ہے اور وہ صاف ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً سوہاگہ ملانے سے بھی زیادہ شفاف ہو جاتے ہیں اسی طرح مجلس شیخ کامل میں سماع کا سننا سوہاگہ کا کام دیتا ہے۔ پھر اس تصفیہ کے

بعد مشاہدات اور مکاشفات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اصلی مطالب عشاق ہیں۔

غرض سماع اُن کے حق میں ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعہ مطالب علیا کو پہنچ جاتے ہیں یا آئینہ ہے جس کے ذریعہ اپنے محبوب کا نظارہ کر لیتے ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جسے دیکھ کر آسمان کے ستارے بھی رقص کرتے ہیں۔ بلکہ مزامیر بھی مست ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ حافظ نے فرمایا ہے:

در طرب خانہ عشاق الٰہی بنگر کہ چساں
رقص کند زہرہ بہنگام سماع

طبل در غلغلہ آید کہ کجا شد منکر
چنگ در قہقہہ آید کہ کجا شد مناع

اب اگر بلید جامد قاسی القلب اس وجد اور اضطراب سے تعجب کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیوں کہ عنین لذت جماع سے اور نادان لڑکا لذت ریاست واسباب سے اور جاہل معرفت الٰہی کی لذت سے بھی تعجب کرتے ہیں۔ ان تمام کا ایک ہی سبب ہے۔ وہ یہ کہ لذت فرع ادراک کی ہوتی ہے۔ جس کو جس چیز کا ادراک نہ ہو اس کو اس کی لذت خاک آئے۔ مثلاً جس کی قوت ذائقہ نہ ہو اس کو مطعومات کی لذت نہیں ہوتی اور جس کی قوت سامعہ مفقود ہو۔ اس کی لذت مسموعات کہاں کی اور جس کا عقل کافور ہو۔ اُس کو لذت معقولات ندارد اور جس کی حسن باصرہ معدوم ہو اس کو مبصرات کی لذت ناموجود ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ وجد اولیا کے منکر ہیں وہ ان اسرار سے بے خبر ہیں:

اسرار محبت را ہر دل نبود لائق
در نیست بھر دریا زر نیست بھر کانے

مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:

گو نیا موزی صفیہ طبلے
تو چہ دانی کو چہ دارد با گلے

اب اس مضمون کو اس بیت پر ختم کرتا ہوں:

سخن عشق نہ آنست کہ آید بزبان
مطر با خوش بگو کوتاہ کن ایں گفت و شنفت

ضمیمہ درالمختار میں ہے کہ نقارہ نوبت کا بجانا اگر بغرض تفاخر ہو۔ (جیسا کہ عام متکبرین دنیاداروں کی چال ہے) تو حرام ہے اور اگر بغرض تنبیہ ہو تو کوئی خوف نہیں ہے۔ جیسا کہ تین وقتوں میں بمراد یاد دہانی نفخات صور کے بجائے جاتے

ہیں۔ واسطے مناسبت اُن وقتوں کے اُن نفخات کے ساتھ۔ مثلاً عصر کے بعد نفخہ فزع اور عشاء کے بعد نفخہ موت اور نصف رات کے بعد نفخہ بعث کی طرف اشارہ ہوگا اور شرح ملتقی میں ہے کہ بوق جو حمام کی فراغت کے واسطے بجایا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے اور شامی میں ہے کہ جو طبل رمضان شریف میں سحور کے وقت بغرض بیدار کرنے لوگوں کے بجایا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے۔ لیجیے حضرات! اب تو فقہا کرام نے گونا گوں مزامیر کو اغراض صالحہ کی وجہ سے مباح کر دیا۔

علامہ شامی نے طبل نکاح و طبل غازیان و نقارہ تنبیہ اوقات ثلاثہ و بوق حمام و طبل رمضان کو اور ولوالجیہ اور فتاوے ہندیہ اور غایۃ البیان نے طبل غازیان و طبل قافلہ کو اور ابو بکر وراق نے دف اور ضنج اور نے اور دخص اور ڈھولک کو شادی کے واسطے حلال کر دیا؛ اور صحابہ کبار و تابعین و تبع تابعین نے طنبور کو حلال کر دیا۔ نا معلوم کہ فاضل معاصر کس خیال سے تمام مزامیر کو حرام کر بیٹھے ہیں۔ شاید کبر سن نے ان کو کتابیں دیکھنے کا موقعہ نہیں دیا۔ آپ کے استاذ صاحب نے ان کی قلعی کھول دی ہے۔ جیسا کہ کہا کہ جو لوگ تمام معازف کو حرام کہتے ہیں اور حدیث شریف سے دلیل پکڑتے ہیں ان کا قول لا یعبا بہ ہے۔ اس کا منشا اُن کی عدم معرفت کتب حدیث وفقہ ہے تو گویا اس بے چارہ کے اپنے استاد صاحب نے کتب حدیث وفقہ سے بے خبر ہونے کی شہادت دے دی ہے۔ ہمیں تو یہ اُمید نہیں تھی مگر بمضمون اہل البیت ادری بما فیہ کے حضرت مولانا کی شہادت پر وثوق کر کے یقین کیا جاتا ہے اور آپ کو ان معاملات سے معذور سمجھا جاتا ہے۔ واللہ الهادی

قال قال اللّٰہ تعالیٰ :وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔٦۔ انتہیٰ مراد لہو الحدیث سے غنا ہے۔ اس پر بعض صحابہ اور بعض تابعین کے آثار جو کہ متعدد طریق سے پہنچے ہیں دلالت کرتے ہیں۔

اقول اس کلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ مقدسہ کا شانِ نزول صرف یہی ہے جس کو جناب نے ذکر کیا ہے۔ حال آں کہ مفسرین نے اس کے شانِ نزول میں مختلف روایات ذکر کیے ہیں۔ اس لیے مناسب تھا کہ اس کی تقریب میں یوں فرماتے کہ بحسب تصریح بعض مفسرین کے اس آیت سے مراد الخ

اوّلاً تو اس آیت سے نصاً حرمت غنا ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ اس کے شانِ نزول میں مفسرین نے اقوال مختلفہ ذکر کیے ہیں۔ چناں چہ تفسیر خازن میں اُس کی تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول ہے کہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جس نے فارس کے بادشاہوں کے قصے خرید لائے تھے اور قریش کے محافل میں پڑھ کر سناتا تھا اور کہتا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) عاد و ثمود کا قصہ سناتے ہیں اور میں رُستم و اسفندیار کا قصہ پڑھتا ہوں اور قریش اس کو سن کر بڑے محظوظ ہوتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جو کہ ٹھیک ٹھیک مضمون مطابق ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ آیت غنا کے بارہ میں نازل ہوئی۔ جو کہ لونڈیاں مغنیہ خرید کر کے اُن سے راگ سُنا کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ہر لہو ولعب میں اُتری اور بعض کا قول ہے کہ شرک کے بارہ میں اُتری۔ جب اتنے موارد آیت مبارکہ کے ہوئے تو صرف ایک ہی مورد کو لے کر

مقام استدلال میں الفاظ محتملۃ المعانی کو لانا نامناسب ہے۔ علماء کا قول ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

ثانیاً بالفرض مان لیا جائے کہ اس آیت سے مراد غنا ہی ہے جیسا کہ بعض صحابہ اور بعض تابعین کا قول ہے تاہم ہمارے مدعا کا اثبات اس سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ آیت شریفہ میں لہوالحدیث جن جن قیود کے ساتھ مقید ہے سب کے سب ملحوظ ہوں گے۔

☆ لہو کی اضافت حدیث کی طرف جس کا مفاد یہ ہے کہ غنا بغرض لہو ہو جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اس کی حرمت میں تو اتفاق ہے۔

☆ لیضل عن سبیل اللّٰہ میں جو لام ہے وہ علیہ ہے یعنی اشتراء لہوالحدیث کی علت اضلال عن سبیل اللہ ہو جس کا مفاد یہ ہے کہ لہوالحدیث کو اس غرض سے خرید کرتا ہے تا کہ اللہ کے راستہ (دین اسلام) سے گمراہ کرے اور سننے قرآن شریف سے اغوا کرے۔ مطلب اس کا یہ ہو کہ قرآن شریف بے رونق اور اسلام کمزور ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا راگ جس کی قرآن شریف نے وصف بیان کی ہے اس کی حرمت میں کوئی اہل اسلام بھی شک نہیں کر سکتا۔

☆ ویتخذھا ھزوا یعنی آیات قرآنی پر استہزاء بنانے کی غرض سے راگ کو خرید کرے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے راگ کی حرمت میں کون اہلِ اسلام شک کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر اسی غرض سے قرآن شریف پڑھا جاوے تو بھی حرام ہے غنا کی خصوصیت نہیں۔ تو جس غنا میں یہ تینوں اوصاف نہ پائے جائیں اُس کی حرمت کہاں سے آئی۔ فاضل معاصر کی یہ چال بازی قابل تحیر ہے۔ کیوں کہ دعویٰ تو یہ کیا کہ غنا اور معازف سب حرام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی جس کا معازف سے تو مساس بھی نہیں۔ البتہ بنا بر اقوال بعض مفسرین غنا پر صادق تو ہے لیکن وہ بھی مقید بچند قیود۔ دلیل خاص کو دعویٰ عام میں لانا فاضل معاصر جیسے جری آدمی کا کام ہے۔ شاید بعض صحابہ کے قول سننے سے خوشی میں آ کر اصل مطلب کو بھول گئے اور جو دعویٰ کیا تھا اس کی اصلیت یاد نہ رہی۔

قدر مجموعہ گل مرغ سحر داند و بس
نہ کہ ہر کو ورقے خواند معانی دنست

فائدہ: زمانہ حال میں جو مجالس بزرگانِ دین کے اعراس پر ہوتی ہیں اوّلاً قرآن شریف خوش الحانی وحسنِ ترتیل سے پڑھا جاتا ہے۔ تمام حاضرین باوضو نہایت متانت وسکون وخضوع وخشوع سے سرنگوں بیٹھ کر بڑی محبت سے سنتے ہیں۔ بعدہ سماع (جس میں حضور سرور کائنات ﷺ کے محامد اور اولیائے کرام کے اوصاف اور محبتِ الٰہی کے بھڑکانے والے کلمات ہوتے ہیں) ہوتا ہے اور پھر کلام الٰہی سے مثل سابق ختم کیا جاتا ہے۔ اب بتلایئے کہ اس سماع میں کون سا اضلال واستہزاء استخفاف دینِ اسلام وکلام الٰہی ہے اور حرمت کہاں کی۔

ثالثاً میں پوچھتا ہوں کہ جس غنا ومعازف کو بارگاہ نبوی میں یا مجالسِ صحابہ وتابعین میں عمل میں لایا گیا ہے وہ اس آیت کے مدلول میں داخل ہیں یا نہ۔ بصورت اوّل یہ تمام حضرات (خاک بدہن دشمناں) مرتکب حرام کے ٹھہرے نعوذ باللہ من ذالک وبصورت ثانی تقریب تام نہیں۔ کیوں کہ مدعا تو یہ تھا کہ جملہ معازف وغناسب حرام ہیں اور دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ بعض حلال وبعض حرام ہیں فکیف یثبت منه المطلوب

قال اخرج البخاری فی الادب المفرد و البیهقی عن ابن عباس لهو الحدیث هو الغناوا اشباعه انتهی واخرج ابن ابی شیبه باسناد صحیح ان عبداللّٰه بن سعل عن قوله تعالٰی ومن الناس من یشتری لهو الحدیث قال الغناء واللّٰه الذی لا اله غیره انتهی واخرجه الحاکم والبیهقی ایضاً وقال الحاکم صحیح الاسناد واخرج ابن ابی الدنیا وابن جریر عن شعیب بن یسار قال سالت عکرمة عن لهو الحدیث قال هو الغناء انتهٰی واخرج ابن ابی الدنیا وابن جریر وابن المنذر عن مجاهد ومن الناس من یشتری لهو الحدیث قال هو الغناء وکل لهو ولعب انتهی واخرج ابن ابی حاتم عن عطاء ومن الناس من یشتری لهو الحدیث قال الغناء والباطل انتهی واخرج ابن ابی حاتم عن الحسن قال نزلت هذه الأیة فی الغنا والمزامیر انتهی واخرج ابن ابی الدنیا عن ابراهیم ومن الناس من یشتری لهو الحدیث قال الغناء انتهٰی واخرج البغوی عن سعید بن جبیر قال لهو الحدیث الغناء والمزامیر والمعازف انتهی۔

اقول اوّلاً تو ان آثار کے اسناد میں مقال ہے جس کی تشریح کی گنجائش نہیں ہے۔ ثانیاً جس طرح لہوالحدیث کی تفسیر بعض صحابہ غنا کے ساتھ کرتے ہیں اسی طرح بعض صحابہ اُس کے اور معانی بھی لیتے ہیں۔ صرف ایک ہی معنی پر جزم کر کے استدلال کرنا جناب ہی کے شایانِ شان ہے۔

ثالثاً ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لہوالحدیث کا معنی غنا بلکہ معازف ہی سہی۔ تاہم اس سے جناب کا مدعا ثابت نہیں ہونے کا۔ کیوں کہ غایت مافی الباب ان آثار سے یہی ثابت ہوگا کہ لہوالحدیث سے مراد غنا اور معازف ہیں۔ تو جب لہو الحدیث کی حرمت مقید بقیود ثلاثہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا تو اُن کی عموم حرمت کہاں سے لائیں گے۔ بلکہ آیت شریفہ وآثار صرف اُسی غنا ومعازف کی حرمت ثابت کریں گے جن کی اباحت کا کوئی بھی اہلِ اسلام قائل نہیں ہے اور جس کی اباحت کے قائل ہیں اس کو نہ آیت نے ہلایا اور نہ آثار نے۔

[جاری ہے..........]

حواشی

۱۔ امام احمد رضا بریلوی، احکام شریعت، نظامیہ کتاب گھر، لاہور

۲۔ سید عین القضاۃ حیدر آبادی، الاغناء فی حرمت الغناء، لکھنو

۳۔ مولانا کرم الدین دبیر، ہدیۃ الاصفیاء فی مسئلہ سماع الصلحاء، لاہور، مسلم پرنٹنگ پریس، س ن، ص ۵

۴۔ حاجی مرید احمد چشتی، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، ج ۲، ص ۳۴۲

۵۔ سورۃ لقمان:۶

☆☆☆☆

شیخ ابوالقاسم القشیری کے احوال و آثار

عطاء المصطفیٰ ☆

نام و نسب:

امام تاج الدین السبکی الشافعی نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں آپ کا نسب نامہ کچھ یوں بیان کیا ہے۔
عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالمالک بن طلحہ بن محمد النیشاپوری، آپ کی کنیت ''ابوالقاسم'' ہے جب کہ ''زین الاسلام'' کے لقب سے ملقب تھے، آپ علم و عمل کے زیور سے آراستہ فقیہہ زمانہ اور امام الآئمہ تھے اور ''الرسالہ'' کی وجہ سے آپ کی شہرت اور مقبولیت مشرق و مغرب تک پہنچی، قبیلہ قشیر کی وجہ سے آپ کو ''قشیری'' کہا جاتا ہے جب کہ نیشاپور کے قریب واقع بستی ''استوا'' کے جائے ولادت ہونے کی وجہ سے نیشاپوری اور استوائی بھی لکھا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ والد کی طرف سے ''قشیری'' جب کہ والدہ کی جانب سے ''سلمی'' تھے۔[1]

ابن خلکان لکھتے ہیں:

> ابو القاسم عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك بن طلعة بن محمد القشيرى الفقيه الشافعى؛ كان علامة فى الفقه والتفيسر والحديث والاصول والأدب والشعر والكتابة وعلم التصوف، جمع بين الشريعة والحقيقة، أصله من ناحية أُستوا من العرب الذين قدموا خراسان[2]

ولادت، تعلیم و تربیت:

آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول ۳۷۶ھ میں نیشاپور کے نواحی قصبہ 'استوا' میں ہوئی۔[3] بچپن میں ہی والد کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم کے لیے آپ ابوالقاسم الیمانی کے پاس پہنچے، یہاں سے عربیہ عامہ اور ادب میں مہارت حاصل کی۔ ابتدائی علوم کی تحصیل اپنے قصبہ میں ہی کی، مزید تحصیل علم کے لیے نیشاپور آئے، یہاں کس علم و فن میں مہارت کی غرض سے آئے؟ اس حوالے سے ابن خلکان لکھتے ہیں کہ آپ کا ارادہ علم الحساب میں مہارت حاصل کرنے کا تھا۔ مگر اتفاقاً شیخ ابوعلی الدقاق کی مجلس سے گزر ہوا، ان کے کلام کی اثر آفرینی نے آپ کو اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

شیخ ابوعلی الحسن بن علی نیشاپوری المعروف ابوعلی دقاق کی جاذب نظر شخصیت کے آپ اسیر ہوئے، شیخ ابوعلی الدقاق امام زمانہ تھے۔ آپ کے ہی کہنے پر امام ابوالقاسم علم شریعت وطریقت کی طرف مائل ہوئے۔

شیخ ابوعلی الدقاق کی صحبت سے آپ نے تصوف وروحانیت میں اکتساب فیض کیا۔ اس کے علاوہ امام ابوبکر بن فورک کے حلقۂ درس میں کافی عرصہ رہے۔ یہاں سے علم کلام میں کمال حاصل کیا۔ اور ابن فورک کے حلقۂ درس میں شرکت سے پہلے امام ابوبکر محمد بن بکر الطوسی سے علم فقہ میں اکتساب فیض کیا۔ امام ابن فورک کے وصال کے بعد امام ابو اسحاق الاسفرائینیؒ کی صحبت علم کو اختیار کیا۔

امام ابواسحاق الاسفرائینی کے حلقۂ درس کے حوالے سے ماہرین انساب نے قشیری کے قوت حفظ کا ایک دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام ابوالقاسم القشیری حلقۂ درس میں کچھ لکھتے نہیں تھے۔ صرف سماع کرتے تھے، ایک دن امام ابواسحاق الاسفرائینی کہنے لگے:

هذالعلم لا يحصل بالسماع، ولا بد من الضبط بالكتابة، فاعاد عليه جميع ما سمعه منه تلك الايام، فعجب منه و عرف محله فاكرمه، وقال له: ما تحتاج الى درس بل يكفيك ان تطالع مصنفاتي۔[۳]

''یہ علم محض سماع سے حاصل نہیں ہوگا، بلکہ کتابت سے اس کا ضبط بھی لازم ہے، تو آپ نے ان دنوں کا سنا ہوا سارا کچھ سنا دیا، یہ دیکھ کر امام الاسفرائینی متعجب ہوئے، آپ کے مقام ومرتبہ کو پہچانتے ہوئے آپ کو احترام دیا اور فرمایا: اے ابوالقاسم! اب تمہیں میرے درس کی حاجت نہیں رہی، بس میری تصنیفات کا مطالعہ کافی ہے۔''

آپ کے کمال ضبط کا مشاہدہ کرکے بقول سبکی آپ نے یہ جواب ارشاد فرمایا:

ما كنت ادرى انك بلغت هذا المحل، فلست تحتاج الى درسي، يكفيك ان تطالع مصنفاتي، وتنظر في طريقي، وان اشكل عليك شيء طالعتني به''[۴]

''مجھے اس بات کا ادراک نہیں تھا کہ تم اس مقام تک پہنچ گئے ہو، اب تمہیں میرے درس کی ضرورت نہیں، اب تمہارے لیے میری تصانیف کا

• مطالعہ کافی ہے، میرے طریقۂ اسلوب میں نظر کرو اور اگر کوئی اشکال پیدا
ہوا کرے تو مجھے اطلاع دے دیا کرو"

اس کے علاوہ امام ابوالقاسم نے قاضی ابوبکر ابن الطیب الباقلانی ۵ کی کتب میں بھی نظر کی۔

اس کے بعد امام ابوالقاسم نے مجلس علم و روحانیت کو مرتب و منظم کیا، خلق کثیر نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ پھر آپ نے سفر حج کی سعادت حاصل کی۔ اس سفر میں امام محمد الجوینی، امام احمد البیہقی کے علاوہ مشاہیر عالم کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی، اس دوران آپ نے بغداد، حجاز اور دیگر شہروں کے ہم عصر مشائخ سے سماع حدیث کیا۔ ۶

سماع حدیث:

امام تاج الدین السبکی الشافعی کے مطابق ۷ آپ نے حسب ذیل افراد سے سماع حدیث کیا۔

☆ ابوالحسین الخفاف

☆ ابونعیم الاسفرائنی

☆ ابوبکر بن عبدوس

طبقات الوسطی میں محمد بن احمد بن عبدوس نام ذکر ہوا۔

☆ المزکی

☆ ابونعیم احمد بن محمد المہرجانی

☆ علی بن احمد الاحوازی

☆ امام ابوعبدالرحمان السلمی ۸

☆ ابن باکویہ الشیرازی

☆ الحاکم

☆ ابن فورک

☆ ابوالحسین ابن بشران

اس کے علاوہ بھی ایک کثیر تعداد سے آپ نے سماع کیا۔

تلامذہ:

آپ سے شرف تلمذ پانے والوں میں بھی بڑے بڑے اساطین علم شامل ہیں۔ چند مشہور تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

☆ ابوعلی فارمدی:

آپ حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی صاحب احیاء علوم الدین کے استاذ تھے۔

☆ عبدالمنعم:

یہ امام ابوالقاسم القشیری کے بیٹے تھے۔

☆ ابوالاسد ھبۃ الرحمٰن

یہ امام ابوالقاسم القشیری کے پوتے تھے۔۹

☆ ابوعبداللہ الفراوی

☆ زاہر الشحامی

☆ عبدالوہاب بن شاہ الشاذیاخی

☆ وجیہ الشحامی

☆ عبدالجبار الخواری

☆ قدما میں سے امام ابوبکر الخطیب بغدادی، صاحب تاریخ بغداد نے بھی آپ سے اخذ علم اور روایتِ حدیث کیا۔۱۰

سلسلۂ طریقت:

امام تاج الدین السبکی الشافعی نے آپ کا سلسلۂ طریقت اور طریقِ تصوف کچھ یوں بیان کیا ہے۔

قال عبدالغافر: وقد اخذ طریق التصوف من الاستاذ ابی علی الدقاق، واخذ ھا ابو علی عن ابی القاسم النصر اباذی، والنصراباذی عن الشبلی،

والشبلی عن الجنید، والجنید عن السری (السقطی) والسری عن معروف الکرخی، ومعروف عن داود الطائی، وداود لقی التابعین، ھکذا یذکر اسناد طریقتہ۔۱۱

''بقول عبدالغافر، شیخ ابوالقاسم القشیری نے طریق تصوف استاذ ابوعلی الدقاق سے حاصل کیا، انھوں نے ابوالقاسم النصراباذی سے، نصراباذی نے شبلی سے، ابوبکر شبلی نے حضرت جنید بغدادی سے، جنید بغدادی نے حضرت سری سقطی سے، سری سقطی نے معروف کرخی سے معروف کرخی نے داؤد طائی سے سلسلہ طریقت حاصل کیا۔ جب کہ حضرت داؤد الطائی

نے تابعین سے شرف لقاء پایا اور اس طرح آپ کا اسناد طریقت ذکر کیا گیا۔"

کلمات ثناء و توصیف:

آپ کے بارے میں آپ کے ہم عصر شیخ علی بن عثمان الھجویری المعروف داتا گنج بخش لکھتے ہیں۔

"پرسیدم از ابتدای حالش گفت وقتی مراسنگی می بالیست از رود خانہ سرخس ہر سنگ کہ برمی گرفتم جوھری می شد"[12]

"میں نے ان سے ابتدائی حال کی بابت پوچھا تو انھوں نے کہا ایک دن مجھے ایک پتھر کی ضرورت لاحق ہوئی سرخس کی شاہراہ سے جو پتھر اٹھاتا تھا وہ جوہر و پارس ہوتا تھا۔"

آپ کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے شیخ علی بن عثمان الہجویری مزید لکھتے ہیں۔

ومنھم استاد و امام زین الاسلام ابو القاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیری رضی اللہ عنہ اندرزمانہ خود بدیع بود و قدوش رفیع بود و منزلتش بزرگ بود و معلوم ست اھل زمانہ را روزگار و انواع فضلش و اندر ھر فن او را لطایف بسیار است و تصانیف نفیس جملہ با تحقیق و خداوند تعالیٰ حال و زبان وی را از حشر محفوظ گردانیدہ بود و از وی شنیدم کہ گفت مثل الصوفی کعلۃ البرسام اولہ ھذیان و آخرہ سکوت فاذا تمکنت خرست[13]

"ائمہ متاخرین میں سے ایک استاذ، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری ہیں جو اپنے زمانہ میں یکتا اور قدر و منزلت میں اشرف تھے آپ کے حالاتِ گوناگوں فضائل اہلِ زمانہ میں مشہور ہیں۔ ہر فن میں آپ کے لطائف موجود ہیں، آپ کی محققانہ تصانیف بکثرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے حال و زبان کو لغویات سے محفوظ رکھا۔ میں نے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ۔ مثل الصوفی کعلۃ ابرسام اولہ ھذیان وآخرہ سکوت

فاذا تمکن خرس۔ صوفی سرسام بیماری کی مانند ہے کہ پہلے بکواس ہوتی ہے آخر میں خاموشی پھر جب قائم ہو جائے تو گونگا بنا دیتی ہے"۔

آپ کے ہی شاگرد اور تاریخ بغداد جیسی بے نظیر کتاب کے مصنف شیخ ابوبکر الخطیب بغدادی آپ کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔ فرماتے ہیں۔

قال الخطیب، حدث ببغداد، و کتبنا عنه، و کان ثقة، و کان یعظ، و کان حسن الموعظة، ملیح الاشارة و کان یعرف الاصول علی مذهب الاشعری۔ والفروع علی مذهب الشافعی ۱۴

"خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ امام ابوالقاسم القشیری بغداد میں درس حدیث دیتے، ہم نے آپ سے کتابتِ حدیث کیا، آپ ثقہ تھے، آپ وعظ فرماتے اور آپ وعظ و نصیحت احسن انداز میں کرنے والے اور ملیح الاشارہ تھے، اشاعرہ کے اصول اور شوافع کے فروع سے آگاہ تھے۔"

شیخ عبدالغافر بن اسماعیل نے آپ کی تعریف و توصیف میں ارشاد فرمایا:

الامام مطلقا، الفقیر المتکلم الاصولی، المفسر الادیب النحوی، الکاتب الشاعر، لسان عصره و سیدوقعة و سرالله بین خلقه، شیخ المشایخ واستاذ الجماعة، ومقدم الطائفة، ومقصود سالکی الطریقة، وبندار الحقیقة، وعین السعادة، وحقیقة الملاحة، لم یرمثل نفسه، ولا را ی الراء ون مثله فی کماله وبراعته، جمع بین علم الشریعة الحقیقة و شرح احسن الشرح اصول الطریقة۔ ۱۵

"آپ امام، فقیہ، متکلم، اصولی، مفسر، نحوی ادیب، شاعر، محقق، لسان العصر، سردار زمانہ، مخلوق کے مابین رازِ حق، شیخ المشائخ، استاذ الجماعۃ، گروہ صوفیاء کے سرخیل، سالکینِ طریقت کا مقصود، سعادت و حقیقت کے سرچشمے تھے۔ آپ کی مثل نہ کسی نے دیکھا اور نہ فضل و کمال میں آپ کا نظیر دیکھے گا۔ آپ علم شریعت و حقیقت کے جامع اور اصول طریقت کے

حسین ترین شارح تھے"۔

دمیۃ القصر میں علی بن حسن نے ذکر کیا کہ:

"فلو قرع الصخر بسوط تحذیره لذاب ولو ربط ابلیس فی مجلس تذکیره لتاب" [16]

"آپ کا وعظ اگر پتھر سے ٹکرائے تو وہ نرم ہو جائے اور اگر آپ کی مجلس میں ابلیس کو باندھ دیا جائے تو وہ تائب ہو جائے"

تصانیف:

☆ التفسیر الکبیر: یہ کتب تفسیر میں ایک انتہائی اعلیٰ اور اجود تفسیر ہے، امام سبکی نے التفسیر الکبیر نام ذکر کیا ہے۔[17] جب کہ ابن خلکان نے "التیسیر فی علم التفسیر" نام ذکر کیا ہے۔[18] یہ کتاب ناپید ہے۔

☆ لطائف الاشارات: تفسیر القشیری المسمیٰ لطائف الاشارات یہ بھی فن تعبیر پر آپ کی تصنیف لطیف ہے۔ یہ کتاب مطبوعہ ہے۔ "لطائف الاشارات" دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔[19]

☆ الرسالة: آپ کی عالمگیر شہرت و مقبولیت کا ذریعہ آپ کی یہ کتاب ہے جو فن تصوف پر لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں امام تاج الدین السبکی الشافعی فرماتے ہیں:

الرسالة المشهورة المباركة ما تكون فی بیت و ینکب ۔[20]

"یہ انتہائی بابرکت اور مشہور ہے یہ جس گھر میں ہو اس میں آفت نہیں آتی"۔

☆ التحبیر فی التذکیر

☆ آداب الصوفیه

☆ کتاب الجواهر

☆ عیون الاجوبه فی فنون الاسئلة

☆ المناجات

☆ نکت اولی النهی

☆ نحو القلوب الکبیر

☆ نحو القلوب الصغیر

☆ احکام السماع

☆ الاربعین فی الحدیث ۲۱ ؎

☆ الدکتور عبدالحلیم محمود نے حسب ذیل کتب کا بھی ذکر کیا ہے۔

☆ الفتوی اس کا ذکر تاج الدین السبکی نے بھی طبقات الشافعیہ میں کیا ہے۔

☆ حیاۃ الارواح والدلیل علی طریق الصلاح والفلاح

☆ المعراج: یہ کتاب الدکتور حسن عبدالقادر کی تحقیق وتخریج کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔

☆ شکایۃ اهل السنۃ

☆ الفصول: اس کا مخطوطہ قاہرہ میں موجود ہے۔

☆ اللمع: اس کا ایک مخطوطہ بھی قاہرہ میں ہے۔

☆ التوحید النبوی: اس کا مخطوطہ بھی قاہرہ میں ہے۔

☆ القصیدۃ الصوفیہ: اس کا مخطوطہ بھی قاہرہ میں ہے۔

☆ شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ: موصل، تیونس، اور دمشق میں اس کے مخطوط ہیں۔ ۲۲ ؎

مولانا جامی آپ کے اقوال واشعار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

التوحید سقوط الرسم عند ظهور الاسلام وفناء الاغیار عند طلوع الانوار تلاشی الخلائق عند ظهور الحقائق وفقدروية الاغیار عند وجد قربة الجبار جل ذکره ومما انشده لنفسه

سقی اللّٰہ وقتا کنت اخلو بوجوهکم ... وتعز الهوی فی روضة الانس ضاحك

اقمنا زمانا والعیون قریرة ... واصبحت یوما والجفون سوافك ۲۳ ؎

"توحید درحقیقت ظہور اسلام کے ساتھ رسم کے خاتمہ ہے اور انوار ربانی کے طلوع کے ساتھ فنائے اغیار کا نام ہے۔ نیز ظہور حقائق کے ساتھ خلائق معدوم ہو جاتے ہیں، قرب خدا پانے کی صورت میں رویتِ اغیار نہ رہے اور یہ ان کے اپنے اشعار ہیں: خدا اس وقت کو سلامت رکھے کہ جب میں تیرے چہرہ کے مشاہدہ میں منہمک تھا، اور عشق کے دانت باغ محبت میں ہنستے تھے، ہم ایک زمانہ تک اس حال میں رہے اور آنکھیں ٹھنڈک سے معمور تھیں لیکن میں نے ایسے دن صبح کی کہ آنکھیں خون گراتی

ہیں۔

شیخ ابوالقاسم ''مجلس تذکیر'' میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔آپ کی پہلی مجلس جو بغداد میں منعقد ہوئی اس کا ذکر کرتے ہوئے ابن ملقن طبقات الاولیاء میں لکھتے ہیں:

عقدله مجلس الوعظ ببغداد، فروی فی اول مجلس منه

الحديث المشهور:

السفر قطعة من العذاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الحدیث ۲۴

فقام شخص فقال:

لم سمی عذاباً: لانه سبب فرقة الاحباب" فاضطرب الناس

وتواجدوا[۲۵]

''یعنی بغداد میں منعقدہ پہلی ہی مجلس وعظ میں جب یہ حدیث مبارکہ ذکر کی گئی کہ سفر تو عذاب ہی کا ایک قطعہ ہے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ سفر کو عذاب سے کیوں تشبیہ دی گئی اس پر امام نے فرمایا کہ

چوں کہ سفر فرقتِ احباب کا سبب ہے اس لیے عذاب ہے، اس پر لوگ مضطرب ہوئے اور حالتِ وجد میں آگئے۔''

بعض نسخوں میں فاطرب الناس کے الفاظ ہیں کہ لوگوں نے مسرور ہو کر وجد کرنا شروع کر دیا۔

امام سبکی نے طبقات میں ذکر کیا کہ ایک دفعہ شیخ ابوالقاسم القشیری کے صاحبزادے شدید بیماری میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ زندگی کی کوئی امید نہ رہی، شیخ اس پر سخت غمزدہ تھے، کہ عالم رویا میں دیدارِ خدا کا شرف پایا، بارگاہ حق سبحانہ وتعالیٰ میں بیٹے کی مرض شدید کی شکایت کی تو رب کائنات نے فرمایا کہ آیاتِ شفاء کو جمع کر کے بیٹے پر تلاوت کرو؛ اور انھیں لکھ کر پانی کے برتن میں ڈال کر پلاؤ۔

جب ایسا کیا گیا تو بیٹا صحت یاب ہو گیا۔

سبکی کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

وبلغنا انه مرض للاستاذ ابی القاسم ولد مرضا شديدا ، بحيث

ايس منه ، فشق ذلك على الاستاذ ، فرای الحق سبحانه وتعالیٰ

فی المنام، فشکی اليه، فقال له سبحانه وتعالیٰ: اجمع آيات

الشفاء واقراها عليه، واكتبها فی اناء واجعل فيه مشروبا واسقه

ایاہ، ففعل ذلک، فعوفی الولد وآیات الشفاء فی القرآن ست:

وَیَشْفِ صُدُوْرَقَوْم مُؤْمِنِین۔۲۶

شِفَآء لِمَافِی الصَّدُوْر۲۷

فِیْه شِفَاءُ اِللنَّاس۲۸

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرآنِ مَا هُو شِفَآء وَرَحْمَةُ الِّلْمُومِنِیْن۲۹

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْن۳۰

قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوا هُدی وَشِفَآء۳۱

ورایت کثیرا من المشایخ یکتبون هذه الآیات للمریض،

ویسقاها فی الاناء، طلبا اللعافیة۔۳۲

حواشی وتعلیقات

۱۔ سبکی، تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن عبدالکافی، طبقات الشافعیۃ الکبری۔(قاہرہ: دارالاحیا الکتب العربیہ، ۱۹۱۸، ج۸، ص۱۵۳

☆۔ ابنِ خلکان، شمس الدین احمد بن محمد بن ابوبکر، وفیات الاعیان (بیروت: دارصادر)، ج۔۳، ص۲۰۸
یہ بھی کہا گیا ہے کہ قُشیری، قُشیر بن کعب کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ جو کہ بہت بڑا قبیلہ ہے۔

☆۔ قُشیری (قاف مضموم، شین مفتوح معجمہ، یائے ساکن اور را مکسور، کے ساتھ ہے۔)

☆۔ اُسْتُوا: ھمزہ مضموم، سین ساکن، تائے مضموم، واؤ مفتوح بعدۂ الف کے ساتھ ہے۔

۲۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان۳:۲۰۵

۳۔ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبری میں ابن خلقان نے وفیات الاعیان میں اور تقی الدین ابودمشقی نے طبقات الشافعیہ میں سال ولادت ۳۶۷ھ ماہ ربیع اول بیان کیا ہے۔ جب کہ ابن ملقن نے طبقات اولیاء میں سال ولادت ۳۷۷ھ بتایا

☆۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، ۸:۱۵۳

☆۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳:۲۰۷

☆۔ ابن ملقن، سراج الدین اب حفص عمر بن احمد المصری، طبقات اولیاء (قاہرہ، مکتبہ الخانجی)، ص۲۵۷

۴۔ امام ابوبکر محمد بن الحسن الفورکی، معروف بہ ابن فورک اصبہانی ہیں، آپ فقیہہ و متکلم تھے، اصول اور علم کلام میں

آپ کی تصانیف ہیں۔ آپ مرد صالح تھے، آپ سے ابو بکر البیہقی اور ابو القاسم القشیری کے علاوہ ایک کثیر جماعت نے روایت حدیث کیا۔

☆۔ سراج الدین ابن ملقن، طبقات الاولیاء، ۲۵۸

۵۔ قاضی ابو بکر محمد بن الطیب الباقلانی البصری، آئمہ اشاعرہ میں سے ہیں اور آپ کی تصانیف مشہور ہیں۔ بغداد میں وصال فرمایا۔

☆۔ سراج الدین ابن ملقن، طبقات الاولیاء، ۲۵۸

۶۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳:۲۰۶

۷۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، ۸:۱۵۵

۸۔ آپ مشہور زمانہ کتاب تصوف، طبقات الصوفیہ کے مصنف ہیں۔

۹۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، ۸:۱۵۴

۱۰۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳:۲۱۰

۱۱۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، ۸:۱۵۷

۱۲۔ ہجویری، علی بن عثمان معروف بہ داتا گنج بخش، کشف المحجوب، (لاہور، النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی ۲۰۱۳ء) ص۔ ۲۳۳

۱۳۔ شیخ علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ۲۳۳

۱۴۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳:۲۰۶

۱۵۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، ۸:۱۵۵

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳:۲۰۶

۱۹۔ قشیری، شیخ ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن۔ لطائف الاشارات (بیروت: دار الکتب العلمیہ)

۲۰۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، ۸:۱۵۹

۲۱۔ ان مذکورہ ۱۳ کتب کا ذکر امام سبکی نے کیا ہے۔

☆۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، ۸:۱۵۹

۲۲۔ قشیری، ابو القاسم عبد الکریم بن ھوازن، الرسالہ۔ (قاہرہ: مطالع موسسہ دار الشعب، ۱۹۸۹)، تحقیق، الدکتور

عبدالحلیم محمود، ص ۱۵
۲۳۔ جامی، شیخ عبدالرحمان، نفحات الانس، (لاہور: شبیر برادرز) اُردو ترجمہ۔ سید احمد علی، ص ۳۵۱
۲۴۔ سیوطی، امام جلال الدین بن ابوبکر، الجامع الصغیر (بیروت، دارالکتب العلمیہ ۲۰۱۲)، ص ۲۹۶
۲۵۔ سراج الدین ابن ملقن، طبقات الاولیاء، ۲۵۹
۲۶۔ سورۃ التوبۃ: ۱۴
۲۷۔ سورۃ یونس: ۵۷
۲۸۔ سورۃ النحل: ۶۹
۲۹۔ سورۃ الاسراء: ۸۲
۳۰۔ سورۃ الشعراء: ۸۰
۳۱۔ سورۃ فصلت: ۴۴
۳۲۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری، ۸: ۱۵۸

☆☆☆☆

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ اور دورِ حاضر میں کشف المحجوب کی ضرورت وافادیت

ڈاکٹر محسن علی عباسی

حضرت شیخ عثمان بن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم خاص سے برصغیر پاک وہند کی سرزمیں پر ابرِ رحمت بن کر برسے۔ رب تعالیٰ نے اپنی جناب سے جتنی قدر ومنزلت، رفعت وکمال آپؒ کی ذات مبارکہ کے حصے میں رقم فرمایا ہے، اب تک کی تاریخ، کسی ایسی شخصیت کے نقوش لکھنے سے قاصر ہے۔ ہند کی سرزمیں کے مالک ومختار نے جب اپنے دورِ بادشاہی کا اعلان کرتے ہوئے دستار عالی کو بلند فرمایا، تو سرانور کو نیازمندی سے آپ کے درانور پر جھکا دیا، جونہی انور وتجلیات کی بارشوں نے آپ کے قلب منور کو ماہتاب کیا، تو آپ نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے:

گنج بخشِ فیضِ عالم، مظہرِ نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را راہنما

گنج بخشی آپ کی معمور ومقبولِ عام ہوئی۔ شاہانِ وقت کے سر، آپ کے درِ پُرنور پر جھکتے چلے آئے ہیں اور تاقیامت جھکتے رہیں گے۔ کیوں نہ جھکیں، کہ جن کی جبیں مبارکہ دنیا میں کسی غیر کے سامنے نہ جھکی، جن کا کلام صرف رب تعالیٰ سے رہا۔ جن کا مانگنا، صرف اللہ تعالیٰ کا فضل رہا، جن کی نگاہ، بارگاہ صمدیت میں متلاشی حق رہی اور جن کا دل خوفِ واحد وقہار سے معمور رہا۔ ان کی ذات بابرکات نے چوں کہ دل انور کو رب تعالیٰ کی بارگاہ سے جوڑے رکھا، تو آج زمانے بیت گئے شاہانِ وقت کے تذکرے رہے اور ختم ہوتے گئے مگر لاہور کی سرزمیں کے تاجور کا ذکر آج بھی شان سے ہو رہا ہے۔

دورِ حاضر سمیت ماضی میں لکھی جانے والی کتب کی تابانی اپنی جگہ مگر جو ضوفشانی اور مقام حضور السید داتا گنج بخش علی ہجویری کی کتاب ''کشف المحجوب'' کے حصے میں رب ذوالجلال نے لکھا اس کی مثال نہیں ملتی۔ دورِ حاضر میں جسے دورِ پُرفتن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، مذکورہ کتاب کی اہمیت اور بھی بڑھ چکی ہے۔ شومئی قسمت ! کہ امت میں موجود نادر ونایاب قیمتی گوہر اب اپنی اہمیت ومنزلت کھو رہے ہیں۔ مادیت پرستی کی گرد نے ہر شے کو دھندلا دیا ہے۔ زمانے کے نقیب اپنا راستہ تبدیل کر رہے ہیں۔ شیاطین مسلسل اپنی تعداد میں اضافہ پا رہے ہیں، جب کہ اصل بندگانِ خدا سے زمین آہستہ آہستہ خالی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کاملینِ امت فرماتے ہیں کہ ایک ولی کامل کی غیر موجودگی میں اس مقام کی برکت نصف سے بھی کم ہو جاتی ہے۔ کھانے، پینے میں بھی کم، حتیٰ کہ وظائف واذکار میں بھی حضور وسرور کم رہ جاتا ہے۔ عوام کے قلوب

پر شیاطین قابض ہو کر انھیں فسق و فجور پر مجبور کر دیتے ہیں۔ دورِ حاضر میں انھی تذکروں کو بڑھانے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ضرورت ہے، تاکہ ان بزرگان کی ارواحِ مقدسہ کی تائید و نصرت سے معاشرے کی برائیوں کے خلاف نبرد آزما ہوا جائے۔ بسا اوقات تحریریں انسانی زندگیاں بدل ڈالتی ہیں۔ تائید و نصرت خداوندی سے مرشدِ حق، سید السادات حضرت عثمان بن علی ہجویری کا فیض کشف المحجوب سے صدیاں فیض یاب رہیں ہیں۔ دورِ حاضر میں مصیبت کے مارے انسان، تختِ لاہور کے اصلی بادشاہ کے جلال و جمال فیض سے زندگیاں منور کر سکتے ہیں۔ اگر اُن کی تعلیمات کے عامل ہو جائیں تو۔ ذیل میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے چند اقتسابات نقل کیے جاتے ہیں:

آپ حضرت داتا گنج بخش عثمان بن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں شیخ المشائخ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول تحریر فرماتے ہیں۔ ’’تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔

۱۔ غافل علما سے

۲۔ مدحات کرنے والے فقرا سے

۳۔ جاہل صوفیا سے۔‘‘

ان تینوں طبقات میں سے ایک طبقہ علما پر ہی اکتفا کرتے ہوئے غور غوض کی سعی کی جاتی ہے۔ آپ غافل علما کی علامات تحریر فرماتے ہیں:

’’غافل علما وہ ہیں جنھوں نے دُنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنا رکھا ہے اور شریعت میں آسانی کے متلاشی رہتے ہیں۔ بادشاہوں کی پرستش کرتے، ظالموں کا دامن پکڑتے، ان کے دروازوں کا طواف کرتے ہیں۔ خلق میں عزت و جاہ کو اپنی محراب گردانتے ہیں، اپنے غرور و تکبر اور اپنی خود پسندی پر فریفتہ ہوتے ہیں، دانستہ اپنی باتوں میں رقت و سوز پیدا کرتے ہیں۔ آئمہ و پیشواؤں کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ بزرگانِ دین کی تحقیر کرتے ہیں اور ان پر زیادتی کرتے ہیں۔ اگر ان کے ترازو کے پلڑے میں دونوں جہان کی نعمتیں رکھ دو تب بھی وہ اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ آئیں گے۔ کینہ و حسد کو انھوں نے اپنا شعارِ مذہب قرار دے لیا ہے۔ بھلا ان باتوں کا علم سے کیا تعلق؟ علم تو ایسی صفت ہے، جس سے جہل و نادانی کی باتیں، اربابِ علم کے دلوں سے فنا ہو جاتی ہیں۔‘‘

دورِ حاضر میں ایسے جاہل و نادان علما کی کمی نہیں ہے، جن کے ہر قدم سے یہ علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ حضور داتا گنج بخش عثمان بن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت ان کورچشموں کو کافی ہے، جن کا شکوہ یہی رہتا ہے کہ علما تو ایسے ہی ہیں سارے ایک جیسے ہیں فرق کیا ہے؟ مذکورہ بالا وضاحت سے علمائے حق اور جاہل علما کے فرق کو سمجھنا دشوار نہیں۔ مزید علم اور اس کی اہمیت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہوئے کہتے ہیں: ’’میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر مجھے علم اور

اس کی پیروی سے زیادہ مشکل کوئی اور چیز نظر نہیں آئی۔'' یعنی طبیعت کے نزدیک علم کے مطابق عمل کرنے کے مقابلہ میں آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ آسان ہے۔ اور جاہل کے دل پر ہزار بار پُل صراط سے گزرنا اس سے زیادہ آسان ہے کہ ایک علمی مسئلہ سیکھیے۔ فاسق کے لیے جہنم میں خیمہ نصب کرنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ کسی ایک علمی مسئلہ پر عمل پیرا ہو۔

اے طالب راہِ حق! تمھیں لازم ہے کہ علم حاصل کر کے اس میں کمال حاصل کرو۔ بندہ کتنا ہی کامل علم حاصل کر لے بعلم الٰہی کے مقابلہ میں وہ جاہل ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ ہمیشہ یہی سمجھے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ کیوں کہ بندہ بندگی کے علم کے سوا کچھ نہیں سیکھ سکتا اور بندگی راہِ خدا میں بہت بڑا حجاب ہے۔

اسی مفہوم میں ایک شعر ذکر فرماتے ہیں:

العجز عن درک الادراک ادراک
والوقف فی طرق الاخیار اشراک

علم کے ادراک سے عاجز رہنا ہی علم و ادراک ہے۔ نیکوں کی راہ سے ہٹ جانا شرک کے برابر ہے۔

جو شخص تحصیل علم کی کوشش نہیں کرتا اور اپنے جہل پر مصر رہتا ہے ہمیشہ مشرک رہتا ہے اور جو سیکھتا ہے اور اپنے کمال علم میں اسے یہ معنیٰ ظاہر ہوں اور اس کی علمیت اسے یہ نصیحت کرے کہ اس کا علم اپنے نتیجہ کار میں بجز عاجزی کے کچھ نہیں ہے اور علمِ الٰہی پر معلومات کا کوئی اثر ہی نہیں پڑتا۔ اگر اس میں عجز کی خوبی پیدا ہو گئی تو درحقیقت علم کی تہ تک اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔

فقر کیا ہے؟ اور کن لوگوں کو فقر کا اختیار حاصل ہے ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

فقیر درویش وہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو اور کوئی چیز اسے خلل انداز نہ کرے نہ وہ اسباب دُنیا کی موجودگی سے غنی ہو اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو۔ اسباب کا ہونا اور نہ ہونا دونوں اس کے فقر میں یکساں ہیں۔ بل کہ اسباب کی غیر موجودگی میں زیادہ خوش و خرم رہتا ہو۔

ایسے لوگوں کی علامات کیا ہیں؟ جب کہ آج کل تو ہر کوئی فقر کا دعوے دار ہے۔ ایک حکایت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی بادشاہ سے ایک درویش کی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے کہا! اگر تمھیں کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ نہیں مانگتا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کس طرح؟ درویش نے کہا میرے دو غلام ہیں اور یہ دونوں تیرے آقا ہیں۔ ایک حرص اور دوسرے اُمید و تمنا۔

پھر رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اَلْفَقْرُ عِزٌ لاهلہ'' (فقر اس کے اہل کے لیے موجب عزت ہے) اس لیے جو چیز اہل کے لیے موجب عزت ہوتی ہے وہ نااہل کے

لیے باعثِ ذلت بن جاتی ہے۔

ہر کس و ناکس فقر کے قابل نہیں ہوتا نہ ہی اسے طلب کیا جانا چاہیے وگرنہ وہ ذلت کے اندھیرے میں بھٹک جائے گا۔ فقر وہ اختیار کرے، جس کا بھروسہ صرف مالکِ حقیقی کی ذات کے اوپر قائم ہو چکا ہو۔ یہ مقام صرف محبت سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور محبت کی علامت کے بارے میں آپؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''محبت میں محب کے اختیار کی نفی، محبوب کے اختیار کے اثبات سے وابستہ ہے۔ یہ بات مسلم ہے۔ پھر ایک درویش کا واقعہ تحریر فرماتے ہیں: ایک درویش دریا میں غرق ہو رہا تھا۔ کسی نے اس سے کہا اے بھائی! کیا تو چاہتا ہے کہ نکال لیا جائے؟ اس نے کہا نہیں، پھر اس نے پوچھا کیا چاہتا ہے کہ غرق ہو جائے؟ درویش نے کہا نہیں، اس نے کہا عجب بات ہے کہ نہ تو ہلاکت چاہتا ہے نہ نجات؟ درویش نے کہا مجھے ایسی نجات کی حاجت نہیں جس میں میرا اختیار شامل ہو۔ میرا اختیار تو وہ ہے جو میرے رب کے اختیار میں ہے۔''

محبت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ محبت میں کم سے کم درجہ اپنے اختیار کی نفی ہے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کا اختیار ازلی ہے اس کی نفی ممکن نہیں اور بندے کا اختیار عارضی ہے اس کی نفی جائز ہے۔ لازم ہے کہ عارضی اختیار کو پائے مال کیا جائے تا کہ ازلی اختیار قائم و باقی رہے۔''

حضرت حرم بن حیان رضی اللہ عنہ اور حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کا ذکر فرماتے ہوئے ایک نصیحت تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی نے مجھے نصیحت کی کہ ''علیک بقلبک'' تم پر فرض ہے کہ اپنے دل کی نگہداشت کرو، تا کہ کسی غیر کی فکر میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ بندوں میں وہ حضرات زیادہ جلیل القدر ہیں جنھوں نے خود کو دل کے تابع اور اس کے موافق بنا رکھا ہے اور ان کے دل حق تعالیٰ کے سپرد ہیں اور ان میں حق تعالیٰ ہی جلوہ گر ہے وہ اس کے مشاہدہ میں قائم ہیں۔

ایک مقام پر دل میں پیدا ہونے والی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک محاورۃ ہے ''خطر علی قلبی ووقع فی قلبی'' میرے دل پر ایک خیال گزرا اور واقعہ یا بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ خیالات تو تمام دلوں میں آتے ہیں مگر واقعات صرف حق تعالیٰ کے نور سے معمور دلوں میں واقع ہوتے ہیں۔ اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ ''حل نہ ہونے والا معاملہ واقعہ ہوتا ہے اور اگر حل ہو جائے تو وہ خیال (خاطر) ہوتا ہے واقعہ نہیں۔'' کیوں کہ اہلِ تحقیق کسی عظیم معاملہ ہی میں رُک سکتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتیں تو وہ اشاروں سے حل کر لیتے ہیں۔

بندگانِ خدا جب اپنے ارادہ اور اُمید کو حق تعالیٰ سے جوڑ لیتے ہیں تو اس کی جناب سے نعمتوں اور نوازشات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ مقام بھی آ جاتا ہے کہ خود رب تعالیٰ بندے کی راہنمائی فرماتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ نے بخار میں دُعا فرمائی کہ خدایا! مجھے صحت

عطا فرما۔ ضمیر سے آواز آئی کہ ہمارے ملک میں اپنی تدبیر اختیار کرنے والا تو کون ہوتا ہے۔ میں اپنے ملک کے نام کو تجھ سے بہتر جانتا ہوں۔ راضی برضا ہو اور اپنے آپ کو صاحب اختیار ظاہر نہ کرو۔ واللہ اعلم

دور حاضر میں ایسے افراد کی کمی نہیں، جن کے دل وزبان پر ہر وقت رب العالمین اور رب الرحمان الرحیم سے شکوہ رہتا ہے۔ جب ان کی دُنیاوی خواہشات پوری نہیں کی جاتیں یا ان میں کچھ وقت گزر جاتا ہے تو بسا اوقات لوگ کفر کے درجے کے کلمات اپنے مالک کی بارگاہ میں نکالتے ہیں۔ انھی کی اصلاح فرماتے ہوئے بلاء یا مصیبت وابتلاء وآزمائش کو آپ "خوبصورتی سے بیان فرماتے ہیں:

بلاء کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''بلاء دراصل جسم اور دل کی بیک وقت آزمائش ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے بندۂ مومن کے لیے ہوتی ہے اور امتحان صرف دل مومن کی آزمائش کا نام ہے۔ بلاء اور آزمائش مومن کے لیے نعمت ہوتی ہے جس کا ظاہر تکلیف دہ اور اصل میٹھا پھل ہوتا ہے۔ مگر کافر کے لیے وبال جسم وجان اور ذریعۂ بدبختی ہے جس سے چھٹکارا ملنا مشکل ہے۔''

☆☆☆☆

خطوط: تاریخ کا دفینہ

سید نصرت بخاری

جب سے مشاہیر خصوصاً ادیبوں اور علما کے خطوط کی جمع آوری اور رسائل میں یا کتب کی صورت میں اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور ناقدینِ فن جن کو تحریر کے ذریعے تعاقب کرنا خوب آتا ہے، ان کے اپنے مکاتیب کی روشنی میں سائنسی انداز اختیار کرتے ہوئے ان کی دوستیوں، رُجحانات، وابستگی، تحریروں کے جواز، اسفار، ان کے افعال و اعمال، داخلی و خارجی میلان اور زندگی کے شب و روز کو دیکھنا شروع کیا ہے اور ان کی مدد سے کڑی سے کڑی ملاتے ہوئے بعض خفیہ اور ناگفتنی معلومات کے حصول کے علاوہ نامہ نگار کی باطنی دنیا تک پہنچ گئے ہیں؛ تو ہر سطح اور ہر مکتبہ فکر کے مشاہیر نے محتاط یا خوف زدہ ہو کر اوّل تو ہر کس و ناکس کو خط لکھنا اور خط کا جواب دینا ہی چھوڑ دیا ہے اور اگر بحالتِ مجبوری لکھا بھی تو اپنے تئیں قلم سنبھال کر خط لکھنے کا ڈھنگ اپنا لیا ہے۔ وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے خط سے کوئی منفی کام نہ لیا جائے اور: ''اعتراف جرائم کی فہرست یا نامہ اعمال کے ایک ٹکڑے کے طور پر اسے استعمال نہ کیا جا سکے''۔(1)

لیکن اتنی توجہ اور احتیاط کے باوجود بے ساختہ اور برجستہ ہونے کی وجہ سے خط کا کوئی نہ کوئی لفظ، جملہ یا نکتہ کہیں نہ کہیں ایسا در یچہ کھول دیتا ہے جس سے مکتوب نگار کو واردات قلبی کا چھپانا مشکل ہو جاتا ہے، ساتھ ساتھ اس کے عہد کے بعض ایسے صاف، واضح اور بعض اوقات چونکا دینے والے نقوش برآمد ہوتے ہیں کہ اس سے معاشرے میں پہلے سے موجود تصورات ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں اور سارے خط و خال ایک نئی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور یہ نئی صورت مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور عمرانی فضا کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ ''یہاں پہنچ کے خطوط ایک تاریخی دستاویز کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور ہماری رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ مورخ کے نزدیک یہی خطوط قابلِ اعتبار اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں''۔(2)

اسی حوالے سے دیکھیے تو کتنے ہی ایسے واقعات ہیں کہ جن کے متعلق جبراً، لاعلمی، عجلت، مصلحتاً، دانستہ یا نادانستہ طور پر کیے گئے غلط فیصلوں کو تسلیم کرتے ہوئے وقت اپنی مٹی ڈال چکا تھا لیکن کسی ایک خط یا خطوط کی دریافت سے حالات نے پلٹا کھایا اور صحیح صورت حال منظرِ عام پر آ گئی اور مسخ شدہ حقائق جب نئے سرے سے مرتب ہونے لگے تو پھر ان کا رنگ کچھ اور ہی ہو گیا، مثلاً ہم نے تو یہی پڑھا سنا ہے کہ: ''اکبر نے اپنے عہد میں ہندو سرداروں کو فوجی اور دیوانی عہدے دیے۔۔۔ اپنی اور اپنے لڑکے کی شادی ہندو راجاؤں کی لڑکیوں کے ساتھ کی۔۔۔ اکبر بادشاہ اور شہزادہ سلیم کے حرم میں بہت سی ہندو رانیاں تھیں۔۔۔ 982ھ میں اس کے دربار میں مذہبی مباحثہ شروع ہو گیا اور بادشاہ روز بہ روز لامذہبی کی

☆ لیکچرر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، اٹک

طرف مائل ہونے لگا۔ پہلے پہل خود خطبہ پڑھا اور اجتہادی کا دعویٰ کیا۔ پیغمبری کا بھی مدعی ہوا۔ بالاخر ایک نیا مذہب دین الہی ایجاد کیا" (3)۔

لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسی اکبر بادشاہ کی وفات کے موقع پر نواب فرید مرتضی خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں: "اس سانحہ عظیمہ اور شدیدہ سے مخلوق کے دلوں کے صفحات پر رنج والم کی لہریں دوڑ گئیں اور مجھے بھی اس نا گہانی حادثہ نے کچھ لکھنے اور تحریر کرنے پر مجبور کر دیا۔ کیا کیا جا سکتا ہے، سنتِ الٰہی اسی طرح جاری رہے گی۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس گرامی قدر اور جواں بخت بادشاہ کے جلال ملک اور اقبال کو ہمیشہ رکھے۔۔۔ خصوصاً اہل اسلام کو اس نیک سیرت بادشاہ نے اپنے عدل واحسان کے زیر سایہ رکھا اور مکروہات و آفات سے محفوظ رکھا"۔ (4)

مندرجہ بالا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا خط جلال الدین اکبر کے بارے میں پڑھے سنے تاریخی واقعات و روایات کو واضح طور پر جھٹلا رہا ہے، اور محدث دہلوی جیسی شخصیت کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ اکبر کے درباری یا وظیفہ خوار ہوں گے یا انھیں کسی قسم کی سرکاری مراعات حاصل تھیں، یا وہ کسی مصلحت کے تحت جھوٹ بول رہے ہوں گے۔ میں ان کے اکبر کے بارے میں خیالات سے اس لیے اتفاق کرتا ہوں کہ آپ اکبر کے عہد کے چشم دید گواہ ہیں۔ آپ نے جو کچھ دیکھا ہوگا وہی لکھا ہوگا۔ یہ خط محققین سے مطالبہ کرتا ہے کہ اکبر بادشاہ کی زندگی کے بارے میں سنی سنائی روایات کو دہرانے کی بجائے نئے سرے سے تحقیق کی جائے اور کوئی غیر جانب دار نتیجہ اخذ کیا جائے۔

اسی طرح 1857ء کی جنگِ آزادی، جس میں انگریزوں نے مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں پر مشتمل ہندوستانی فوج کو بڑی آسانی سے شکست دے کر پورے برِصغیر پر اپنا تسلط قائم کر دیا۔ اس جنگ میں ہندوستانی فوج کی شکست کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی غیر منظم، غیر تربیت یافتہ اور جنگی رموز سے نا آشنا جب کہ انگریز منظم، متحد، اور جنگی حربوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ہندوستانی فوج کے پاس اس قسم کے جدید ہتھیار نہیں تھے جو انگریز فوجیوں کے پاس تھے، انھیں خوراک کی قلت اور تنخواہ کے مسائل کا سامنا تھا اس لیے وہ پست ہمت دلجمعی سے لڑائی نہ لڑ سکے اور نتیجے کے طور پر انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

مندرجہ بالا اسباب کو حقائق سمجھتے ہوئے دنیا نے تسلیم کیا اور تاریخ نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ یہ غلط اسباب شکست ایک عرصے تک پڑھے اور پڑھائے جاتے رہے اور لوگ ان پر ایمان لاتے رہے، لیکن اسی جنگ کے حوالے سے "برٹش میوزیم، انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈ" میں ایک عرصے سے محفوظ غداروں کے خطوط تو کوئی اور ہی روداد بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ خطوط ان ننگِ قوم اور ننگِ وطن غداروں کے منہ سے نقاب کھینچتے ہیں جو اس شکست کا اصل سبب تھے۔ اگر چہ ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں پر مشتمل اس غدار ٹولے میں چند لوگ تھے لیکن انھوں نے ہندوستانی فوج کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ یوں تو تمام غدار ہی انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی تگ ودو میں حریت پسندوں کو زیادہ

سے زیادہ نقصان پہنچا رہے تھے لیکن ان سب میں سے مولوی رجب علی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا کیوں کہ یہ شخص بادشاہ کا خاص آدمی ہونے کی وجہ سے اس کی مجلسِ مشاورت کا رکن اور بارود خانے کا انچارج تھا۔ 7/ اگست 1857ء کو انقلابیوں کے بارود خانے میں آگ لگنے سے پانچ سو سے زائد حریت پسند شہید ہوئے تھے، اور یہ کارنامہ اسی مولوی رجب علی کا تھا۔ اس کی وفاداری اور غداری کا سربستہ راز کبھی نہ کھلتا اگر انڈیا آفس لائبریری سے یہ خطوط برآمد نہ ہوتے۔ 15/ستمبر 1857ء کو ایک خط میں انگریزوں سے وفاداری نبھاتے ہوئے انھیں لکھتا ہے: ''میں آپ [انگریز افسر] کے حکم کی تعمیل میں خبریں حاصل کرنے کے لیے شہر کی فصیل کے قریب گیا تھا۔ یہاں پر زخمی سپاہیوں سے لدی ہوئی بے شمار ڈولیاں موجود تھیں۔۔۔ سنا ہے کہ باقی فوج کے سب دستے قطب جانے والی سڑک اور دوسرے راستوں سے ریواڑی کی طرف بھاگ رہے ہیں، لیکن اجمیری دروازے کے قریب ابھی بھی ان کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔۔۔ شہر کے جس جس حصہ میں ہمارا [یعنی انگریزوں کا] قبضہ ہوا ہے وہاں کی تمام دکانیں لوٹ لی گئی تھیں" (5)۔

ایک اور تاریخی خط ملاحظہ فرمایئے جس میں یہودیوں کو فلسطین میں ایک منصوبہ بندی کے تحت آباد کرنے کے شواہد ملتے ہیں:"

Foreign Office,

November 2nd 1917.

Dear Lord Rothschild,

I have much pleasure in conveying to you,on behalf of his majesty,s Government, the following declaration of sympathy has been submitted to and with jewish zionist aspirations which approved by the cabinet.His majesty,s government view with favour the establishment in palestine of a national home for the jewish people, and will use their endeavours to facilitate the understood that achievement of this object.It being clearly nothing shall be done which may pre judice the civil and religious rights of existing non jewish communities in palestine, or the rights and political status enjoyed by jews in any other country. would bring this declaration to the should be grateful if you I

(6)knowledge of the zionist federation.

ایک اور تاریخی خط جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین کے لوگ یہودیوں کی بے جا آبادکاری کے کتنے خلاف تھے۔انھیں فوری طور پر احساس ہو چلا تھا کہ آگے چل کر یہ فتنہ بہت تباہی لائے گا۔اسی فتنے کے متعلق انگریزوں کا دستِ راست ہونے کے باوجود والیِ اردن شاہ عبداللہ بن حسین بے چین اور مضطرب نظر آتے ہیں اور 1933 میں برطانوی ہائی کمشنر کے نام ایک خط میں اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے فلسطینیوں اور یہودیوں کے مابین موجودہ تنازع کی ساٹھ ستر سال پیشتر یوں پیش گوئی کرتے ہیں: "فلسطین کے عربوں کو یقین ہے کہ یہودی جرمنی سے اپنی جلاوطنی کی مصیبت کو،فلسطین کو یہودی نوآبادی بنا ڈالنے کی اپنی پرانی خواہش کو جلد پورا کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔انھوں نے اپنی پوشیدہ نیتوں کو اتنی جلد بازی سے ظاہر کر دیا ہے کہ اس سے عربوں کا پیمانہ صبر لب ریز ہو گیا ہے۔۔۔پس جب فلسطین کے مسلم اور عیسائی عرب ان زبردستی کے مہمانوں کو ہر طرف سے اپنے اوپر مسلط ہوتا دیکھتے ہیں تو وہ اپنے دلوں میں زوال کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔انھیں تباہی کے گڑھے میں گرنے کا اندیشہ ہے۔وہ اگر اپنے وجود اور وطن کے بارے میں خوف کا شکار ہیں تو میرے خیال میں ہرگز قابلِ ملامت نہیں۔۔۔بہت سے عربی دانش وروں نے مجھے واضح طور پر بتایا ہے کہ آنے والے حالات سے ان کا خوف روز بہ روز شدید ہوتا جا رہا ہے۔۔۔مختلف ممالک سے یہودی یورپین تہذیب وثقافت سے آراستہ،علوم وفنون میں ماہر،میکانکی اور فوجی معاملات میں چابک دست فلسطین کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں۔۔۔یہ خوف مستقبل میں جنگ وجدل کی شکل اختیار کر سکتا ہے،جس سے امن وامان میں خلل پڑے گا"(7)۔

اس بات سے انکار ممکن ہی نہیں کہ خطوط تاریخی حقائق کا مخزن ہیں۔حکم رانوں اور دیگر جابر شخصیات نے تاریخی حالات کو مسخ کر کے اپنی من مرضی کے مطابق تاریخ تو لکھوا لی؛لیکن خطوط نے اصل حقائق اپنے سینے میں محفوظ کر لیے۔شاید ابھی خطوط کا اس پہلو سے مطالعہ نہیں کیا گیا لیکن جب بھی وسیع پیمانے پر مکتوب نگاری پر اس حوالے سے بڑا کام شروع گا؛تو سیکڑوں مروج تاریخی حقائق بالکل متضاد صورت میں منظر عام پر آئیں گے۔

حوالے:

(1)رشید حسن خاں،مضمون:ذاتی خطوں سے چند معروضات،سہ ماہی فنون،لاہور،ستمبر تا دسمبر1992،ص39

(2)ڈاکٹر صادق علی گِل،فنِ تاریخ نویسی (ہومر سے ٹائن بی تک)،اشاعتِ اول،پبلشرز ایم پوزیم،اردو بازار لاہور، 1998

(3)۔نظامی بدایونی،مشاہیر مشرق،تخلیقات،اکرم آرکیڈ،29ٹمپل روڈ،لاہور1999،ص93

(4)شیخ عبدالحق محدث دہلوی،مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی،مدینہ پبلشنگ کمپنی،بندر روڈ کراچی نمبر 1،س

ن،ص101

(5)۔سہیل قریشی،غداروں کے خطوط،جلداول،،نگارشات،3۔ٹمپل روڈ،لاہور،ص189

www.jpost.com (6)

(7)۔شاہ عبداللہ بن حسین،والیِ اردن شاہ عبداللہ بن حسین کی تاریخی یاداشتیں،ارسلان پبلی کیشنز لاہور،بار اول،1977،ص284

☆☆☆☆

فارسی کلام مولانا محمد علی مکھڈیؒ مع اردو ترجمہ

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر☆

مولانا محمد علی مکھڈی فارسی اور پنجابی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ یقیناً انھوں نے دونوں زبانوں میں بہت کچھ کلام کہا ہوگا، لیکن ہمارے سامنے ان کا جو کلام موجود ہے، وہ معیار میں اعلیٰ اور مقدار میں بہت ہی کم ہے۔ انھوں نے فارسی میں غزلیں کہیں اور پنجابی میں سی حرفیاں لکھیں۔ ان کا کل دستیاب کلام بہ قامت کہتر اور بہ قیمت بہتر کی خوبصورت مثال تو ہے، مگر اس کی کمی کھٹکتی ضرور ہے۔ تذکرۃ المحبوب کے مؤلف نے مولانا کے احوال اور مناقب کی ترقیم کے باب میں ان کا کلام بھی درج کیا، لیکن انھوں نے اس راز سے پردہ نہیں اُٹھایا کہ انھوں نے یہ کلام کہاں سے نقل کیا اور کیا ان کے پیشِ نظر بھی اتنا ہی کلام موجود تھا، یا انھوں نے کسی بیاض یا خطی نسخے سے تیمناً اور نمونۃً اتنا کلام انتخاب کیا۔ تذکرۃ المحبوب کی تالیف سے قبل یہ کلام یقیناً کسی بیاض یا خطی کتاب میں محفوظ ہوگا، لیکن حیرت ہے کہ اس تذکرے کے علاوہ ان کا کلام کہیں دستیاب نہیں۔

درگاہ عالیہ، مکھڈ شریف میں نادر اور نایاب کتب پر مشتمل ایک شاندار ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس ذخیرے کی بنیاد گزار بھی مولانا ہی ذات گرامی تھی۔ ان کے بعد ان کے جانشین اس میں مسلسل اور متواتر اضافہ کرتے رہے اور آج بھی اس سرمائے میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کتاب بینی اور کتاب دوستی کی، جو میراث انھوں نے مولانا سے ورثے میں پائی تھی، وہ آج بھی ان کے لیے طرۂ امتیاز ہے۔ مولانا محمد الدین مکھڈی نہ صرف کتابوں کی جمع آوری کے رسیا تھے، بلکہ وہ جب بھی تونسہ مقدسہ حاضر ہوتے تو کتب خانہ محمودیہ سے چشتی ملفوظات کی کتابیں اپنے کتب خانے کے لیے نقل بھی کرتے تھے۔ انھیں شکستہ نستعلیق کی کتابت میں خاصی مہارت تھی۔ ان کے کئی مکتوبہ نسخے راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔ کتابوں کے ساتھ اس خانوادے کے اس قدر تعلق کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ نوادرات کے ان قدردانوں سے مولانا کا کلام کہاں کھو گیا؟

نومبر ۲۰۰۵ء میں اسی درگاہ کے ایک خوش ذوق نوجوان ڈاکٹر ساجد نظامی نے مولانا کا کلام محرابِ دُعا کے عنوان سے مرتب کیا۔ انھوں نے اپنے تدوینی کام کی بنیاد تذکرۃ المحبوب کے خطی نسخے پر رکھی۔ مؤلفِ تذکرہ کے دست نوشت نسخے کے علاوہ بھی اس تذکرے کے دو نسخے ان کے پیشِ نظر رہے ہیں۔ پنجابی کلام کی تدوین میں انھوں نے تذکرۃ المحبوب کے علاوہ ادارہ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد کے ایک خطی نسخے اور سراج الدین تاجرانِ

☆ صدرِ شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

کتب، لاہور کے مطبوعہ نسخے سی حرفی مولوی صاحب مکھڈ والا سے بھی استفادہ کیا، لیکن مصادر اور ماخذ کے باب میں ایک کمی رہ گئی کہ فاضل مدون نے تونسہ مقدسہ اور اس کی ذیلی خانقاہوں کے ملفوظاتی ادب کو پیشِ نظر نہیں رکھا اور یوں مولانا کا ایک قطعہ (۲ شعر) درج ہونے سے رہ گیا، جو انھوں نے پیر پٹھان غریب نواز کے ایک قطعے کے جواب میں لکھا تھا۔ اسی طرح ان کے اشعار مختلف ملفوظاتی مجموعوں میں اپنی بہار دکھاتے رہے اور ان میں لفظی تغیر و تبدل بھی راہ پا گیا۔ اگر کبھی یہ مجموعہ دوسری بار اشاعت آشنا ہو تو ان ماخذ کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔

مولانا کا کلام ان کی قلبی واردات اور کیفیاتِ روحانی کا ترجمان ہے۔ اس میں ہجر کے قصے بھی ہیں اور وصال کے رنگ بھی؛ اس میں دار و رسن کا ذکر بھی ہے اور منصور کا استعارہ بھی؛ اس میں مشاہدات کی چاشنی بھی ہے اور مکاشفات کی رنگینی بھی؛ اس میں عشقِ مجازی کے رنگ بھی ہیں اور عشقِ حقیقی کی بے رنگی بھی۔ مولانا کے کلام میں وہ سب کچھ ہے، جس کی ایک صوفی شاعر سے توقع کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر معین نظامی نے لکھا ہے: ''حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کے مختصر سے دستیاب فارسی کلام کی استادانہ پختگی، متاثر کن روانی اور اس کی سطر سطر میں موج زن وفورِ احساسات و کیفیات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں اعلیٰ پائے کا شعری جوہر تخلیق بھی ودیعت کیا گیا تھا اور غالب قیاس ہے کہ ان کا کچھ مزید کلام بھی ہوگا، جو بہ صدتاسف دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا ہے۔ مولانا کے موجود کلام پر رومی و سعدی اور ان کے بعد خسرو اور حافظ کے رنگِ سخن کے اثرات نمایاں ہیں۔ یقیناً انھوں نے اپنے ذوقِ عرفان و شعر کی تشفی و تسکین کے لیے ان اکابر کے دواوین کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور ان کے مطالب و اسالیب سے استفادۂ معنوی بھی کیا ہے۔ یہ استفادہ تقلیدِ محض نہیں، بلکہ ابتکاری توسیع کی فنکارانہ خصوصیات کا حامل ہے۔

عشق کے مختلف مدارج کا پرشور بیان اور اس کی بعض سوز آفرین کیفیات کا دل نشیں اور مؤثر اظہار ان کے کلام کا سب سے اہم موضوع ہے۔ ایسے موضوعات ان کے ہاں عجیب سی سرمستی اور والہانہ پن کے ذائقے لیے پیرایۂ سخن میں ڈھلتے ہیں۔ وحدۃ الوجود کے معارف، انسان کی عظمت و مرکزیت اور بارگاہِ رسالت میں بدرجۂ مطلوب سپردگی بھی ان کی بضاعتِ سخن کے درخشندہ لعل و یاقوت ہیں۔ طویل اور مترنم بحروں کی طرف ان کا میلان ان کے اس وجد و جود اور رقصِ روحانی کی غمازی کرتا ہے، جو خمستانِ تونسہ سے ان کی جرعہ یابی کے بعد ان کی حیاتِ منور میں بالکل یوں ظہور پذیر ہوا، جیسے شمس تبریزی کے فیضانِ نظر سے مولانا جلال الدین محمد رومی کے جہانِ ظاہر و باطن میں نغمۂ رباب گونج اٹھا تھا اور مولانا مکھڈی کا جذبۂ عشق تو وہ تھا، جس کے جوان و توانا ہونے کی سند، خود ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی نے انھیں عطا فرمائی''۔

مولانا کے کلام کا یہ اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد امین الدین کے حکم کی تعمیل میں کیا گیا۔ اس پر ڈاکٹر معین نظامی نے نظرِ ثانی فرمائی۔ میں ہر دو صاحبان کا شکر گزار ہوں۔

جلوہ گر در دو جہاں غیرِ خدا نیست کسے
از حریمِ وصلش ماندہ جدا نیست کسے

(ترجمہ: دو جہاں میں خدا کے سوا کوئی بھی جلوہ گر نہیں (اور) اس کے وصل کی حریم سے کوئی بھی جدا نہیں۔)

ہر چہ در دیدۂ تو نشوونما می دارد
ہمہ فانی است بہ خود اھلِ بقا نیست کسے

(ترجمہ: جو کچھ بھی تمھاری آنکھ میں نمو پذیر ہے، وہ سب فانی ہے۔ کسی چیز کو بھی بقا میسر نہیں۔)

آدمی گو زِ خلائق بسریرِ ایجاد
متمکن بہ سرِ صدق و صفا نیست کسے

(ترجمہ: تمام مخلوقات میں آدم کے سوا صدق وصفا کی بدولت ایجاد کے تخت پر کوئی متمکن نہیں۔)

گر خدا می طلبی صحبتِ رنداں مگزار
ھم چوں شاں سوئے خدا راہ نُما نیست کسے

(ترجمہ: اگر تم خدا کے طالب ہوتو رندوں کی صحبت ترک نہ کرو (کیونکہ) ان کی طرح کوئی بھی راہِ خدا کا رہبر نہیں۔)

زاھدا! طعنہ بہ رنداں ز سرِ فخر مزن
کہ چوں ایناں بہ رہِ عشق و وفا نیست کسے
(ترجمہ: اے زاہد! تکبر سے رندوں پر طعنہ زنی نہ کر، کیونکہ رہ عشق و وفا میں کوئی بھی ان کی طرح (ثابت قدم) نہیں۔)

مولوی سجدہ گہت بارگۂ پیرِ مغاں است
کہ جُز او ہیچ پئے سجدہ سزا نیست کسے

(ترجمہ: مولوی پیر مغاں کی بارگاہ تیری سجدہ گاہ ہے، کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی سجدے کے لائق نہیں۔)

☆☆☆

[۲]

ہر زمانے دلبرِ ما شکل پیدا می کُند
عاشقاں را بر جمالِ خویش شیدا می کُند

(ترجمہ: ہر آن ہمارا دلبر ایک نئی صورت میں ظہور کر کے عاشقوں کو اپنے جمال رعنا پر شیدا کرتا ہے۔)

آید از بھرِ تماشا سوئے بازارِ جہاں
چوں بہ بیند ہر طرف خود را تماشا می کُند

(ترجمہ: وہ بہر تماشا بازار عالم کی طرف آتا ہے، جب ہر طرف اپنے آپ ہی کو دیکھتا ہے تو لطفِ نظارہ لیتا ہے۔)

با کمالِ حُسنِ صورت بر مثالِ احمدی
خویش را در یثرب و بطحا ہویدا می کُند

(ترجمہ: وہ کمالِ حسنِ صورت کے ساتھ احمد کے شکل وشمائل میں بطحا اور یثرب میں اپنی جلوہ آرائی کرتا ہے۔)

مولویا! می کُنی سرِ اناالحق بس نہاں
لیك خود عشق ایں سُخن را آشکارا می کُند

(ترجمہ: مولویا! تم رازِ اناالحق خوب چھپاتے پھرتے ہو، لیکن عشق خود اس راز کو منکشف کر رہا ہے۔)

☆☆☆

[۳]

اے ھادیِ راہِ خُدا، یامصطفیٰ یامصطفیٰ
اے قدوۂ اھلِ صفا، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: اے محمدِ مصطفیٰ! آپ راہِ خدا کے ہادی اور اہلِ صفا کے رہبر و رہنما ہیں۔)

در مسجد و مکتب توئی، در مشرق و مغرب توئی
مطلوبِ ہر طالب توئی، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: آپ مسجد میں بھی (جلوہ فرما) ہیں اور مکتب میں بھی۔ آپ مشرق میں بھی ہیں اور مغرب میں بھی۔ اے محمدِ مصطفیٰ! آپ ہر طالب کے مطلوب (اور مراد) ہیں۔)

ذکرِ تو در ھر انجمن، وصفِ تو گوید مرد و زن
نامِ تو در روم و یمن، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: ہر انجمن آپ ہی کے ذکر (سے آباد ہے) اور تمام مرد وزن آپ ہی کے مدحت گزار ہیں۔اے محمدِ مصطفیٰ! آپ کا نام نامی روم و یمن (یعنی ساری کائنات) میں گونج رہا ہے۔)

شد نُہ فلک معراجِ تو ، عرب و عجم تاراجِ تو
شاہ و گدا محتاجِ تو ، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: نو فلک آپ کی بلندی کے مظہر ہیں اور عرب وعجم آپ کے باج گزار۔اے محمدِ مصطفیٰ! سارے بادشاہ اور گدا آپ ہی کے محتاج (اور منت گزار) ہیں۔)

در مدرسہ غوغائے تو ، در خانقاہ سودائے تو
عالم ہمہ شیدائے تو ، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: مدرسے آپ کے ذکر سے معمور اور خانقاہیں آپ کے عشق سے آباد ہیں۔اے محمدِ مصطفیٰ! سارا جہاں آپ ہی کا والہ وشیدا ہے۔)

از قُدسیاں بُردی سبق ، قُدسی زِ تو گوید سبق
از تو منّور نُہ طبق ، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: (رفعت اور بلندی میں) آپ فرشتوں سے سبقت لے گئے اور اب وہ آپ کے حضور طفلِ مکتب ہیں۔اے محمدِ مصطفیٰ! سارے آفاق آپ سے مستنیر ہیں۔)

اے دردِ من ، درمانِ من ، اے دینِ من ، ایمانِ من
اے جانِ من ، جانانِ من یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: آپ میرا درد بھی ہیں اور میرا درمان بھی۔میرا دین بھی آپ ہیں اور ایمان بھی۔اے محمدِ مصطفیٰ! آپ میری جان

بھی ہیں اور جاناں بھی۔)

شد طور تو عرشِ بریں ، شد مسجدت روئے زمیں
شد چاکرت روحُ الامیں ، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: عرشِ بریں آپ کے لیے طور رہا اور ساری زمین آپ کے لیے مسجد قرار پائی۔اے محمدِ مصطفیٰ! روح الامین نے آپ کی چاکری کا اعزاز پایا۔)

شد تاجِ لولاکت بہ سر ، زانگشتِ تو شق شد قمر
فضلِ تو بر جن و بشر ، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: لولاک لما کا تاج آپ کے سر کی زینت ہوا اور آپ نے انگشتِ مبارک (کے اشارے سے) چاند کو دولخت کیا۔اے محمدِ مصطفیٰ! آپ کا فضل وکرم تمام جن وانس پر (سایہ فگن) ہے۔)

از ہر چہ بود اوّل توئی ، ختمِ نبوت ہم توئی
اوّل توئی ، آخر توئی ، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: آپ ہر مخلوق سے پہلے تھے اور نبوت آپ پر اختتام کو پہنچی۔اے محمدِ مصطفیٰ! آپ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔)

کُن مولوی را محترم ، تا از سگانِ تو شوم
در عشق و شوقت جاں دھم ، یامصطفیٰ یامصطفیٰ

(ترجمہ: آپ مولوی کو اپنے سگان میں شمار کر کے اعتبار عطا کریں۔اے محمدِ مصطفیٰ! میں آپ کے عشق اور شوق میں اپنی جان نچھاور کردوں۔)

اے شدہ از خاکِ پایت سرمۂ حور و پری
کَے تواند کرد با حُسنِ تو یُوسف همسری

(ترجمہ: اے کہ آپ کی خاک پا حور و پری (کی آنکھ) کا سرمہ بنی۔ یوسف کب آپ کے حسن و جمال کی ہمسری (کا دعویٰ) کرسکتا ہے۔)

صد هزاں هم چو موسیٰ طالبِ دیدارِ تو
رُخ مپوش از عاشقاں اے آفتابِ خاوری

(ترجمہ: موسیٰ کی مانند لاکھوں آپ کے دیدار کے طالب ہیں۔ اے آفتاب خاوری! اپنے عاشقوں سے اپنا چہرۂ انور پوشیدہ نہ فرمائیے۔)

هر وَلی و هر نبی از فیضِ تو شد بهره مند
کس نپوشید است چوں تو خلعتِ پیغمبری

(ترجمہ: ہر نبی اور ہر ولی آپ کے فیض سے بہرہ مند ہوا۔ کسی نے بھی آپ کی طرح خلعتِ پیغمبری نہیں پہنی۔)

خاکسارانِ تو از شاهانِ عالم برتر اند
بر همه شیراں سگِ کوئے تو دارد مهتری

(ترجمہ: آپ کے خاکسار (غلام) دنیا کے بادشاہوں سے بلند مرتبہ ہیں۔ آپ کی گلی کا کتا سارے شیروں پر سرداری کرتا ہے۔)

کَے تواں مثلِ تو گفتن در جمیعِ کائنات
زاں کہ از مُلك ومِلك وز جن وانس افزوں تری

(ترجمہ: ساری کائنات آپ کی مثال لانے سے قاصر ہے، کیونکہ آپ تو جن وانس اور ملائک سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔)

بادشاہانِ جہاں گر شربتِ عشقت چشند
تلخ گردد بر دلِ شاں تخت و تاج و سروری

(ترجمہ: اگر دنیا کے بادشاہ آپ کے عشق کا شربت چکھ لیں تو تخت، تاج اور سروری کا ذائقہ ان کے دل میں تلخی گھول دے۔)

دلبرانِ ایں جہاں از حُسنِ رویت غافل اند
ورنہ کَے در دل بماند فخر و ناز و دلبری

(ترجمہ: اس جہاں کے دلبر آپ کے حسنِ رعنا سے غافل ہیں۔ وگرنہ کب ان کے دل میں ناز، فخر اور دلبری باقی رہتی۔)

کُشتۂ عشقت نہ گردد زندہ باصد چوں مسیح
تا مگر دامن کُشاں بر مُشتِ خاکش بگذری

(ترجمہ: آپ کا کشتۂ عشق مسیح جیسے سیکڑوں سے زندہ نہ ہو، لیکن آپ اگر اس کی مشتِ خاک پر دامن کشاں گزریں (تو وہ زندۂ جاوید ہو جائے)۔

تر نہ گردد تشنۂ روئے تو با آبِ حیات
از شکر شیریں تری وز آبِ حیواں برتری

(ترجمہ: آپ کے دیدار کا پیاسا آبِ حیات سے سیراب نہیں ہوتا (کیونکہ) آپ شکر سے زیادہ شیریں اور آبِ حیات

سے برتر واعلیٰ ہیں۔)

گر نہ بودی گے بُدے افلاک و حیوان و نبات
وصفِ تو دیگر چہ گویم بهتر از هر بهتری

(ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو آسماں، حیوانات، نباتات (اور کچھ بھی) نہ ہوتا۔اس سے بڑھ کر آپ کا کیا وصف بیان کروں۔آپ ہر بہتر سے بہترین ہیں۔)

راهِ خُدا گُم کرده را بهرِ خدا فریاد رس
اے کہ در راهِ خُدا صد بار خضرِ رهبری

(ترجمہ: راہِ خدا کے گم کردہ کی خدا کے لیے دادرسی کریں۔اے کہ آپ راہِ خدا کے خضر اور رہبر ہیں۔)

کُن منّور از جمالت دیدۂ اهلِ طلب
اے کہ بر چرخِ فلك ماهِ منّور انوری

(ترجمہ: آپ اپنے جمالِ جہاں آرا سے اہلِ طلب کی آنکھیں روشن کریں۔اے کہ آپ فلک الافلاک کے ماہِ منور ہیں۔)

مولوی جامِ مئے عشقِ تُرا دارد هوس
چه عجب گر از سگانِ کوئے خاصش بشمری

(ترجمہ: مولوی آپ کی شراب عشق کے جام کا طالب ہے۔کیا عجب اگر آپ اسے اپنے کوچے کے خاص سگان میں شمار کر لیں۔)

☆☆☆

شہیدِ تیر آں تُرکم کہ از آبرو کماں دارد
خدنگ از دستِ او خوردم کہ از مژگاں سناں دارد

(ترجمہ: میں اس تُرک کے تیر کا شہید ہوں کہ جس کے ابرو کمان ہیں، یعنی میں نے اس محبوب کے ہاتھوں تیر کھایا ہے، جس کی پلکیں نیزے ہیں۔)

خوش آں عاشق کہ از جاناں رُخِ مہر و وفا بیند
زِ یارِ خویش حیرانم، نہ ایں دارد ،نہ آں دارد

(ترجمہ: وہ عاشق کتنا خوش نصیب ہے، جو محبوب سے مہر و وفا دیکھتا ہے۔ مجھے اپنے محبوب پر حیرت ہے، جو نہ یہ رکھتا ہے نہ وہ۔)

زِ چشمِ مستِ بیمارش چہ بیماری فزود آخر
کہ از ہر سو کہ می بینم ہزاراں کُشتگاں دارد

(ترجمہ: اس کی چشمِ مست کے بیماروں کی بیماری بڑھ گئی۔ میں جس طرف بھی دیکھتا ہوں، اس نے کشتوں کے پشتے لگا رکھے ہیں۔)

چہ شور انداخت در جانم جمالِ روئے آں گل رُخ
کہ چشمِ نیم خوابِ او زِ ابرو سائباں دارد

(ترجمہ: اس گل رُخ کے جمال نے میری جان میں کیا شور و غوغا رکھ دیا، جس کی چشمِ نیم خواب ابرو کا سائباں رکھتی ہے۔)

نہ زد بر آتشم آب آں سحابِ مکرمت یارب!
چہ کین است ایں کہ با من آں شہِ نامہرباں دارد

(ترجمہ: یارب! اس لطف وکرم کے بادل نے میری آگ پر پانی نہیں ڈالا۔ وہ شہِ نامہرباں میرے ساتھ کیا کینہ رکھتا ہے۔)

حدیثِ حُسنِ یوسف را ، کُجا دانند آخوانش
زُلیخا را بہ پُرس آز وَے کہ صد شرح و بیاں دارد

(ترجمہ: حسنِ یوسف کی باتیں اس کے بھائی کیا جانیں۔ یہ زلیخا سے پوچھو، جو سورنگوں میں اس کا اظہار کرتی ہے۔)

مرنجاں خاطر از غم ھا و راحت بے آلم مَطلب
کہ باغستانِ ایں عالم ، بھار اندر خزاں دارد

(ترجمہ: غم سے رنجیدہ نہ ہو اور بے الم راحت کی طلب نہ رکھ (کیوں) کہ اس باغِ عالم کی بہار اپنے اندر خزاں لیے ہوئے ہے۔)

خدا را اے صبا با آں شہِ خوبانِ عالم گو
کہ از لب تشنگی مُردیم و شربت در دَھاں دارد

(ترجمہ: اے صبا! خدا کے لیے اس شہِ عالم سے عرض کر کہ وہ سیرابی کا سامان رکھتا ہے اور ہم تشنگی سے مر گئے۔)

صبا با آں طبیبِ عشق حالِ مولوی بر گو
کہ بس عمریست کیں بیمار سر بر آستاں دارد

(ترجمہ: اے صبا! اس طبیبِ عشق سے مولوی کا حال کہہ کہ تیرے آستانے پر سر رکھے اس بیمار کو زمانہ ہو گیا۔)

☆☆☆

نقدِ جاں دادم بہایت اے مہِ کنعانِ من
ملکِ دل کردم خرابت اے شہِ خوبانِ من

(ترجمہ: اے مرے مہِ کنعان! میں نے نقدِ جاں کی صورت تیری قیمت ادا کی۔ اے مرے شہِ خوباں! میں نے اپنے دل کی دنیا تیرے لیے برباد کر لی۔)

خانۂ جانم شد از آغیار خالی اے صنم!
خوش بیا در جانِ من، اے جانِ من، جانانِ من

(ترجمہ: اے صنم! مرا خانۂ جاں اغیار سے خالی ہو گیا۔ اے جانانِ من! تو میری جان میں خیر سے آ۔)

من نخواھم غیرِ تو ملکِ دو عالم گر دھند
لَیسَ فَی قَلبِی سِوَاك، اے جنت ورِضوانِ من

(ترجمہ: اگر مجھے (بدلے میں) دو جہاں بھی دے دیں تو میں تیرے غیر کو قبول نہ کروں۔ اے جنت ورضوانِ من! میرے دل میں تیرے سوا کسی کی سمائی نہیں۔)

لاف عشقِ تو زنم گر خوں بریزی ھم رواست
باختم سر در ھوایت اے گُلِ بُستانِ من

(ترجمہ: میں تیرے عشق کی ڈینگیں مارتا ہوں۔ اگر تو خوں ریزی بھی کرے تو روا ہے۔ اے مرے باغ کے پھول! میں نے اپنا سر تیری تمنا میں ہار دیا۔)

یوسفِ گُم گشتہ می جویم ندارم میلِ گُل
باز گو از حالِ من با آں شہِ خوبانِ من

(ترجمہ: میں یوسفِ گم گشتہ کی تلاش میں ہوں۔ مجھے پھول سے کوئی میلان نہیں۔اس شہِ خوباں سے مرا حال جا کے کہو۔)

بوئے عنبر کَے خوش آید در دماغم اے عجب
سایہ افگن بر سرم اے سُنبل و ریحانِ من

(ترجمہ: بوئے عنبر میرے دماغ کو کب خوش آتی ہے؟ اے مرے سنبل و ریحان! تم میرے سر پر سایہ فگن رہو۔)

برقِ آہ دردمنداں تیغِ بُراں است تیز
الحذر اے مدعی از تیغِ خوں افشانِ من

(ترجمہ: دردمندوں کی آہ کی بجلی، تیغِ بُراں اور تیز ہے۔اے مدعی! میری خوں ریز تلوار سے الحذر۔)

آہِ من گر سر کشد سوزد زمین و آسماں
بر حذر باش اے رقیب! از آتشِ سوزانِ من

(ترجمہ: میری آہ اگر سر اُٹھائے تو زمین و آسماں جلا دے۔اے رقیب! میری آتشِ سوزاں سے بچ۔)

آبِ چشمم شست نقشِ غیر از لوحِ دِلم
محترم باش از خدا، اے دیدۂ گریانِ من

(ترجمہ: میرے آنسوؤں نے میرے دل کی لوح سے غیر کا نقش دھوڈالا۔اے مرے دیدۂ گریاں! خدا تجھے محترم رکھے۔)

صد قیامت گر، رَود ھر گز نمی گردد جُدا
حُسنِ بے پایانِ تو از عشقِ بے پایانِ من

(ترجمہ: (اگر ہم پر) سو قیامتیں بھی گزریں تو تیرا حسنِ بے پایاں اور میرا عشقِ بے کنار جدا نہیں ہوں گے۔)

دارم از تو طوطیِ جانم بہ دل صد داستاں
وائے بر من گر نہ پرسی شرح از ھجرانِ من

(ترجمہ: اے توتیِ جاں! میں اپنے دل میں تمھاری صدہا داستانیں چھپائے ہوئے ہوں۔ اگر تو مجھ سے میرے ہجر کی شرح نہ پوچھے تو مجھ پر صد افسوس۔)

مُلکِ دل تاراج کردی قصدِ جانم ساختی
جان و دل بادا فدایت اے گُلِ خندانِ من

(ترجمہ: تو نے دل کی سلطنت اُجاڑ دی اور میری جان لینے کا ارادہ کیا۔ اے میرے گلِ خنداں! تجھ پر جان و دل فدا ہو۔)

بگذری گر ناگھاں بر تُربتم اے قاتلم
دودِ آھم را بہ بینی از کفن اے جانِ من

(ترجمہ: اے میرے قاتل! اگر کبھی تم میری قبر سے گزرو تو میرے کفن سے میری آہ کا دھواں اُٹھتا دیکھو گے۔)

عشق را صد مرحبا، می گویم و گویم بیا
مرحبا صد مرحبا، اے دردِ من درمانِ من

(ترجمہ: میں عشق کو سو بار خوش آمدید کہتا ہوں۔ اے میرے درد اور میرے درمان! صد مرحبا۔)

مولویؒ در عشق دادی دین و دانش را بباد
آفرین صد آفرین بر همتِ مردانِ من

(ترجمہ: مولوی تو نے دین اور دانش کو عشق کی نذر کر دیا۔ تیری ہمت پر آفریں، صد آفریں۔)

☆☆☆

[۷]

یار در جورِ دلبرانہ ھنوز
آتشم می زند زبانہ ھنوز

(ترجمہ: یار ابھی تک جورِ دلبرانہ میں (مگن ہے) اور میری آگ ہے کہ ابھی تک شعلہ زن ہے۔)

ساقیا سوختم زِ تشنہ لبی
تا بہ کَے حیلہ و بھانہ ھنوز

(ترجمہ: ساقیا! میں تشنہ لبی سے جل بجھا۔ یہ تیرے حیلے اور بہانے کب تک؟)

گرچہ بے رحمی ات زِ حد بگذشت
سرِ من خاکِ آستانہ ھنوز

(ترجمہ: اگرچہ تیری بے توجہی حد سے گزر گئی، لیکن میرا سر ابھی تک تیرے آستانے کی خاک پر ہے۔)

واعظا! بس کن از نصیحت و پند
چند ازیں قصہ و افسانہ ھنوز

(ترجمہ: واعظا! اپنی پند و نصیحت بند کر۔ تیرے یہ قصے اور افسانے کب تک؟)

دلِ من در ھوائے آں عنقا
کہ نہ بینم ازو نشانہ ھنوز

(ترجمہ: میرا دل اس عنقا کی تمنا میں (سرگرداں) ہے کہ ابھی تک جس کا کوئی نشان نہیں پایا۔)

عاشقِ خستہ غرقِ دریائیست
کہ ندیداست ازو کرانہ ھنوز

(ترجمہ: عاشقِ خستہ ایک ایسے دریا میں غرق ہے، جس کا ابھی تک اس نے کنارہ نہیں دیکھا۔)

غزلے خواند دوش مطرب عشق
مولوی مست ازاں ترانہ ھنوز

(ترجمہ: کل مطرب عشق نے ایک غزل چھیڑی تھی۔ مولوی ابھی تک اس ترانے سے مست ہے۔)

مستی عشق بہ از ورع و تقا می بینم
سوزشِ علتِ عشق عین دوا می بینم

(ترجمہ: میں مستیِ عشق کو زہد و ورع سے بہتر اور سوزشِ عشق کو عینِ دوا جانتا ہوں۔)

درد و سوز و والم و تاب و تپ سوزشِ دل
ہاتفم گفت کہ اسبابِ ھُدیٰ می بینم

(ترجمہ: ہاتف نے مجھ سے کہا کہ میں درد، سوز، الم اور سوزشِ دل کی تب و تاب کو ہدایت کے اسباب کی صورت میں دیکھ رہا ہوں۔)

غرقِ دریائے الم دید مرا چوں کہ طبیب
گُفت خوش باش کہ آثارِ شفا می بینم

(ترجمہ: طبیب نے مجھے دریائے الم میں غرق پایا تو کہا: خوش رہ کہ میں آثار شفا دیکھ رہا ہوں۔)

حاجتِ مسجد و محراب مرا نیست کہ من
طاقِ آبروئے تو محرابِ دُعا می بینم

(ترجمہ: مجھے مسجد و محراب کی حاجت نہیں کہ میں تیرے طاق ابرو میں محراب دُعا دکھائی دیتی ہے۔)

روئے آں ماہ ندید است ملامت گرِ من
او چہ داند کہ من خستہ چھا می بینم

(ترجمہ: میرے ملامت کرنے اس چاند کا چہرہ نہیں دیکھا، سوائے کیا معلوم کہ میں درماندہ کیا دیکھ رہا ہوں۔)

کس ندید است و نہ بیند زِ خمِ طاقِ سپھر
آں چہ من از خمِ آبروئے دوتا می بینم

(ترجمہ: آسمان کی محراب کے خم سے نہ کسی نے دیکھا ہے اور نہ کوئی دیکھے گا، میں تیرے ابروئے دوتا کی اُوٹ سے جو کچھ دیکھ رہا ہوں۔)

گرچہ ذاتِ تو منزّہ زِ مکانات و جھات
در مکاں ھا ھمہ سو روئے تُرا می بینم

(ترجمہ: اگرچہ تیری ذات گرامی مکانات اور جہات سے منزہ (اور ماورا) ہے، لیکن میں ہر مکان میں ہر سو تیرے ہی جمال رعنا کا نظارہ کر رہا ہوں۔)

دولتِ وصل بہ اسباب و علل نتواں یافت
دلبرا! ایں ھمہ از فیضِ شما می بینم

(ترجمہ: وصل کی دولت اسباب وعلل سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اے دلبر! میں یہ سب کچھ تیرے فیضِ کرم سے دیکھ رہا ہوں۔)

مولویؔ دامنِ آں سیم بر از دست مدہ
گرچہ صد گونہ ازو جور و جفا می بینم

(ترجمہ: مولوی اس سیمبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اگرچہ میں اس سے سیکڑوں جور و جفا دیکھ رہا ہوں۔)

بُلبلا! خوش خبر از جانبِ گلزار بیار
بوئے گُل گر نرسد از چمنش خار بیار

(ترجمہ: اے بُلبل! گلزار کی طرف سے کوئی خوش خبری لا۔ اگر اس کے باغ سے بوئے گل نہ پہنچے تو کوئی کانٹا ہی لے آ۔)

واعظ از جنت و طوبیٰ چہ دھی یاد مرا
شمہ از وصفِ رُخ و قامتِ دِلدار بیار

(ترجمہ: اے واعظ! مجھے جنت اور طوبیٰ کی کیا یاد دلاتے ہو۔ دلدار کی خوش قامتی اور اس کے چہرۂ انور کا ذکر کرو۔)

عقل دیوانہ شد از پند و نصیحت بگذشت
بندش از سلسلۂ زلفِ شکن دار بیار

(ترجمہ: عقل دیوانی ہوئی۔ پند و نصیحت سے گزر گئی۔ اس کے لیے زلفِ شکن دار کی زنجیر کا اہتمام کرو۔)

عود و عنبر بہ چہ کار آیدم اے بادِ صبا!
بوئے از پیرھنِ آں گُلِ بے خار بیار

(ترجمہ: اے بادِ صبا! عود و عنبر میرے کس کام کی؟ اس گلِ بے خار کے پیرہن کی خوشبو لا۔)

دلم افسردہ شد از تیرگیِ قیل و مقال
ساقیا! جامِ لبِ لعلِ رُخِ یار بیار

(ترجمہ: قیل ومقال کی تیرگی سے میرا دل افسردہ ہوگیا۔اے ساقی ارخِ یار کے لب لعل کا جام عنایت کر۔)

صوفی از کشف و کرامات مزن لاف و دروغ
نکہتِ بوئے خوش و مُشك زِ دلدار بیار

(ترجمہ: صوفی کشف وکرامات کی لاف زنی نہ کر۔دلدار کی نکہت اور خوشبو لا۔)

دردِ عشقِ تو ندارد بہ جُز ایں درد دوا
حل ایں عقدہ زِ زندانِ قدَح خوار بیار

(ترجمہ: تیرے دردِ عشق کا اس کے سوا اور کچھ درماں نہیں کہ رندانِ قدح خوار اس کی عقدہ کشائی فرمائیں۔)

کشتۂ عشق وَے از تیرِ ازل یافت خبر
کشف ایں راز زِ منصورِ دل افگار بیار

(ترجمہ: اس کے کشتۂ عشق نے تیرِ ازل سے یہ خبر پائی کہ اس راز کا انکشاف زخمی دل منصور سے پوچھ۔)

ترکِ عشق از دلِ منصور میسرّ نہ شود
گر تو معذور نداری رَسن و دار بیار

(ترجمہ: دل منصور سے ترک عشق ممکن نہیں۔اگر تم اسے معذور نہیں جانتے تو پھر رسن ودار لے آؤ۔)

عالمِ مُردہ بہ یك عشوہ چرا زندہ نکرد
ایں حکایات برِ عاشقِ عیآر بیار

(ترجمہ: اس نے عالمِ مردہ کو ایک ہی ادا سے زندہ کیوں نہ کیا؟ ذرا یہ راز عاشقِ عیار پر ظاہر کر۔)

در رہِ عشق زِ تقویٰ و ورع لاف مزن
نالۂ درد و فغاں، سینۂ افگار بیار

(ترجمہ: عشق کی راہ میں تقویٰ و ورع کی ڈھینگ مت مار۔ اس راستے میں درد و فغاں اور سینۂ افگار سے کام لے۔)

مولوی چند نہی دام بہ تسخیرِ عوام
دلِ آتش زدہ و دیدۂ خونبار بیار

(ترجمہ: مولوی تم تسخیرِ عوام کے لیے کتنے جال پھیلاؤ گے؟ آتش زدہ دل اور دیدۂ خونبار لاؤ۔)

داستانے از دکن آوردہ ام

(بھارت کا ایک سفر)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ☆

میری عمر کے پاکستانیوں نے جب ہوش سنبھالا اور برعظیم کی تاریخ کا مطالعہ کیا تو عمر کے ساتھ جوں جوں مطالعہ وسیع ہوتا گیا، بھارت میں مسلم آثار کو دیکھنے کا شوق بھی بڑھتا گیا کیوں کہ مسلمانوں نے ہندوستان پر اپنے سیکڑوں سالہ دور حکومت میں یہاں کے چپے چپے پر اپنی تہذیب وثقافت اور حکمرانی کے نقوش ثبت کیے۔ قلعے، مسجدیں، مقبرے، مزار، محلات، عمارات، کنویں اور باولیاں، سڑکیں اور شاہراہیں، پھر رسوم ورواج، ادب وآداب، طور اطوار، لباس اور پوشاک، کھیل اور تماشے، میلے ٹھیلے۔ غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اب بھی مسلمانوں کے اثرات سے خالی ہو۔ انگریزوں نے دلّی پر قبضہ مستحکم ہونے کے بعد مسلم عہد حکومت کی بہت سی عمارتوں، مسجدوں اور مقبروں کو وسیع پیمانے پر گرا دیا۔ اس کے باوجود دلّی میں اب بھی مختلف ادوار کی چھوٹی بڑی بیسوں بلکہ شاید سیکڑوں یادگاریں باقی ہیں۔ (گو، موجودہ بھارتی حکومت کی اشیر باد سے بعض لوگ اور پارٹیاں بابری مسجد کے انہدام کے بعد باقی آثار اور یادگاروں کو بھی مٹانے کے درپے ہیں۔

لیکن مجھ ایسوں کے لیے بھارت کے سفر میں طرح طرح کی رکاوٹیں اور مجبوریاں حائل رہیں اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد اُن پابندیوں میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔

کئی سال بعد ۱۹۸۶ء میں اقبال اکیڈمی حیدر آباد دکن کی طرف سے عالمی اقبال سیمی نار میں شرکت کا دعوت نامہ ملا۔ اس پہلے دعوت نامے کے بعد، ایک ایک دو دو سال وقفوں سے ادبی کانفرنسوں اور سیمی ناروں کے دعوت نامے ملنے لگے۔ ۱۹۸۶ء سے اب تک تیس اکتیس برسوں میں تقریباً تیس دعوت نامے ملے ہوں گے جو مختلف شہروں سے تھے۔ دہلی، علی گڑھ، احمد آباد، حیدر آباد، پٹنہ، کلکتہ، بنگلور، رائے بریلی، اعظم گڑھ اور لکھنؤ مگر افسوس ہے کہ میں صرف دو بار بھارت جا سکا۔ اور ان دو سفروں میں بھی صرف تین ہی شہروں (دہلی، حیدر آباد اور بھوپال) کی زیارت کر سکا۔ سب سے زیادہ قلق سری نگر نہ جا سکنے کا ہے۔

سری نگر کے ذکر سے تصور میں کشمیر کی وادیوں، کوہساروں اور جھیلوں کی تصویریں بننے لگتی ہیں اور اقبال کا یہ شعر ذہن میں گونجنے لگتا ہے:

☆ پروفیسر اِمے ریطس، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب

مرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب

دراصل نادیدہ کے تصور میں بھی ایک رومان ہوتا ہے۔''آتش چنار'' کا نظارہ تو ہم نے کئی بار ایبٹ آباد میں کیا (یہ کئی سال پہلے کی بات ہے) مگر'' وادی لولاب'' کیسی ہو گی۔۔۔۔۔۔شاید شمالی علاقہ جات کے بعض مناظر کی طرح۔۔۔۔۔۔مگر نہیں، ان سے فزوں تر۔علامہ اقبال کو فقط ایک ہی بار کشمیر جانا نصیب ہوا مگر ان کی ساری عمر کشمیر کو'' کسی بہانے تمھیں یاد کرنے لگتے ہیں'' کی کیفیت میں گزری۔کلام اقبال کو پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حینِ حیات کسی نہ کسی عنوان یا کسی نہ کسی حوالے سے (ساقی نامہ۔کشمیر۔غنی کاشمیری۔ملاضیغم لولابی کی بیاض آب ولر۔آتشِ چنار۔وادی لولاب۔ایرانِ صغیر۔سیاہ چشمانِ کشمیری۔پیرک اندرابی۔ولر کے کنارے۔خطۂ گل) وہ کشمیر کو یاد کرتے رہے۔

اقبال اکیڈمی کے مذکورہ بین الاقوامی سیمی نار میں سات حضرات(ڈاکٹر جاوید اقبال ،پروفیسر مرزا محمد منور، ڈاکٹر جمیل جالبی، عبدالرؤف عروج، انتظار حسین، ڈاکٹر معین الدین عقیل اور راقم مدعو تھے مگر صرف عقیل صاحب اور راقم ہی شریک ہو سکے البتہ اقبال کا سیاسی کارنامہ کے مصنف محمد احمد خاں اور معروف سیرت نگار مصباح الدین شکیل صاحبان اپنے طور پر حیدر آباد گئے تھے اور سیمی نار میں شریک ہوئے۔

۱۵/اپریل ۱۹۶۸ء کو: میں تقریباً نو بجے لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔پلیٹ فارم پر بہت بڑا ہجوم اور افراتفری۔مسافر زیادہ، جگہ کم۔برادرم تحسین فراقی اپنے ایک دوست فاضل صاحب کو ساتھ لائے تھے۔ان کی وساطت سے امیگریشن اور کسٹم کے مراحل آسان۔پاسپورٹ پر Exit کی مہر لگنے کے بعد، میں ریل میں بیٹھ گیا۔درجہ اول کا ٹکٹ لیا تھا۔میرا سامان ایک درمیانے سے اٹیچی اور کتابوں کے دو کارٹنوں پر مشتمل تھا۔ساڑھے گیارہ بجے مسافر آنا بند ہو گئے۔لوگ مع سامان بہت آچکے تھے۔بچے اور بچیاں جوان اور بوڑھے، باپردہ خواتین (اور بعض صرف بادوپٹہ)، ان کے ساتھ چھوٹے بڑے اٹیچی، گٹھڑیاں بلکہ بڑے بڑے گٹھڑ اور ساتھ ہی چیخ پکار، شوروغوغا، بہت ذہنی کوفت ہوئی۔ٹی ٹی نے ازراہ کرم مجھے متصل کوپے میں بٹھا دیا جو کسی سابق ریلوے افسر کے لیے مخصوص تھا۔اس میں کل پانچ افراد تھے۔ریل تقریباً ایک بجے روانہ ہوئی اور تین چار گھنٹے کا یہ عرصہ اخبارات ورسائل پڑھنے، اونگھنے اور جمائیاں لینے (رات دیر سے سویا تھا اور صبح بہت جلد اٹھ گیا۔سفر میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے) اور پلیٹ فارم پر آنے والے مسافروں کے مشاہدے میں گزرا۔

ریل، لاہور ریلوے اسٹیشن سے چلی تو واہگہ سے آگے دائیں بائیں درختوں کے جھنڈ اور پکی ہوئی گندم کے سنہری کھیت دور تک چلے گئے تھے۔ایک جگہ کھیتوں میں سوروں کے ریوڑ نظر پڑے۔ریلوے افسر کی بیوی نے منہ بنا کر ناک کے آگے پلو رکھ لیا۔پتا ہی نہیں چلا کہ ہم حدودِ وطن سے نکل کر بھارت میں داخل ہو گئے ہیں۔تقریباً ایک گھنٹے میں ریل گاڑی اٹاری جا کھڑی ہوئی۔

بھارت کا یہ پہلا سفر تھا مگر بھارتی سرزمین پر، میں دوسری بار قدم رکھ رہا تھا۔

یہ الگ قصہ ہے مختصر یہ کہ ۱۹۶۵ء کی سترہ روزہ جنگ کے بعد جنگ بندی (ceasefire) ہوئی تو بھارتی قصبہ کھیم کرن (بعض روایات کے مطابق مولانا ابوالکلام آزاد کی ولادت اسی قصبے میں ہوئی، مگر اُن کے مداحین اس کی تردید کرتے ہیں۔) پاکستانی فوجوں کے زیر قبضہ تھا۔ ہمیں وہاں جانے کا موقع ملا۔ اب اٹاری اترتے ہوئے، گویا میں بھارت کی سرزمین پر دوسری بار قدم رکھ رہا تھا۔ حکم ہوا: مسافر، ریل سے سامان اتار کر پلیٹ فارم پر رکھ دیں۔ ریل خالی کر دیں۔

دلّی سے لاہور آنے والی ریل ابھی نہیں پہنچی تھی۔

لمبی لمبی قطاریں۔ پہلے گیٹ پاس، پھر نمبر لگا۔ پھر ہیلتھ کی مہر۔ ناواقفوں سے ۱۰،۵ روپے ہتھیا لیے۔ ایک جگہ پاسپورٹ کا اندراج، ۲۰ روپے رکھوا لیے۔ یہ سب "غیر سرکاری" فنڈ جمع ہو رہا تھا۔

ایک سردار جی سامان کی پڑتال کر رہے تھے۔ قطار میں لگا، باری آئی تو کتابوں کے ڈبے میز پر ان کے سامنے رکھ دیے۔

"کیہ اے اپناں وچ؟"

"کتاباں۔"

"اچھا، کھولو، وکھاؤ۔"

دیکھ کر کہنے لگے: "اینیاں کتاباں؟"

میں نے کہا: "دوستاں لئی لے جا ریاواں، تحفہ تحائف اے"

کچھ ردوقدح کے بعد کتابیں "پاس" ہو گئیں۔

مجھے مشفق خواجہ یاد آ گئے ہیں۔ شاید ۱۹۸۷ء میں مشفق خواجہ اور ان کی بیگم بھارت کے دورے پر گئے۔ تاریخی آثار دیکھنے کے ساتھ ساتھ وہ کتابیں بھی جمع کرتے رہے۔ کچھ تحفے میں ملیں، بہت سی خریدیں۔ تقریباً دس بارہ بوریاں کتابوں کی بن گئیں۔ اب یہ پاکستان لے جائیں تو کیسے؟ ہوائی جہاز میں تو ہزاروں روپے خرچ ہوں گے۔ فکر مند تھے مگر ڈاکٹر خلیق انجم نے انھیں اطمینان دلایا کہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہ خواجہ صاحب کو رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ دہلی کے اندرا گاندھی ہوائی اڈے پر گئے۔

سامان کے کاؤنٹر پر ایک سردار جی براجمان تھے۔ وہ بوریوں پر معترض ہوئے۔ خلیق انجم نے ذرا سے جھک کر ان کے کان میں کہا: "آپ کو پتا نہیں یہ پاکستان کے بہت بڑے صحافی اور لکھاری ہیں۔ خالصتان تحریک کی حمایت میں مسلسل لکھتے رہتے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ سردار جی نے کہا: "جاؤ، جاؤ۔ لے جاؤ، لے جاؤ۔"

ساڑھے تین بج گئے، بھوک لگ رہی تھی۔ سواتنترا کمار پوریاں تل رہا تھا۔ چائے بھی میسر تھی مگر سواتنترا کمار کی بنائی ہوئی پوریاں کھانے کو جی نہ چاہا۔ چنانچہ بسکٹ اور چنوں پر گزارا کیا جو مسافر نے گھر سے نکلتے وقت ازراہ احتیاط بیگ میں رکھ لیے تھے۔

پلیٹ فارم پر ''کرنسی تبدیل'' کے کئی کاؤنٹر نظر آئے۔ سو روپے کے ۸۵ بھارتی روپے۔ بعد میں پتا چلا سو کے سو ملنے چاہییں تھے۔ (پھر غچہ دے گئے، پہلے ریڈکلف ایوارڈ کے ذریعے، پھر اقوام متحدہ میں پنڈت نہرو کی) دہائی اور جھوٹے وعدے کے ذریعے، کہ ہم کشمیر میں استصواب کرائیں گے، اور پھر معاہدہ تاشقند کے ذریعے)۔

دو خط لکھے تھے کہ دہلی سے ریل آ گئی۔ لاہور جانے والے ایک پاکستانی کو دیے کہ لاہور جا کر پوسٹ کر دیں۔ شام چھے بجے دہلی والی ریل میں بیٹھ گیا۔ اٹاری تا دہلی درجہ اول کا ٹکٹ ۱۸۰ روپے۔ قلی پچیس روپے۔ ریل پتا نہیں کب چلے گی؟ ساڑھے نو بجے اوپر کی برتھ پر لیٹ گیا۔ دو گھنٹے بعد ریل چل پڑی۔ رات بھر جاگتا سوتا رہا۔ امبالے رکی، فجر کا وقت تھا۔ ریل کا غسل خانہ ہماری ریلوں کے غسل خانوں سے کشادہ۔ نماز فجر، تلاوت۔۔۔ مشاہدہ کرنے لگا۔ کرنال، کوروکشیتر، پانی پت (حالی یاد آئے)، سونی پت۔ ریل تقریباً ساڑھے دس بجے دہلی کے ریلوے سٹیشن میں داخل ہوئی۔

پرانی دہلی کا سمیر ہوٹل، بلّی ماراں، کرایہ: ایک شب و روز پچاس روپے۔ ۱۶ر اور ۱۷ر اپریل کو دلّی میں کچھ دوستوں سے ملاقاتیں اور کچھ مشاہدات (ان کا ذکر دلی کے احوال میں آگے چل کر ہوگا)۔

۱۷ر اپریل کی شام ۵ بج کر ۵۰ منٹ پر ایر انڈیا کی پرواز IC 540 سے روانہ ہو کر ۸ بجے شب حیدر آباد پہنچا۔ اتفاق سے عین اسی وقت سری نگر سے آنے والی پرواز سے ڈاکٹر شکیل الرحمٰن بھی حیدر آباد ہوائی اڈے پہنچے تھے۔ انتظار گاہ میں باہمی تعارف ہوا۔ میں نے گذشتہ شب اقبال اکیڈمی کے ناظم نائب محمد ظہیر الدین صاحب کو تار دیا تھا کہ ایئر انڈیا کی پرواز سے حیدر آباد پہنچ رہا ہوں۔ یہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ تار انھیں نہیں ملا کو رحیم قریشی صاحب اور خواجہ ناصر الدین صاحب شکیل الرحمٰن صاحب لینے آئے تھے اچانک مجھے پا کر بہت خوش ہوئے۔ ڈیڑھ گھنٹے میں، مجھے بھی انھوں نے پریذیڈنٹ ہوٹل پہنچا دیا۔ اگر وہ نہ ملتے تو سخت پریشانی ہوتی کیوں کہ ہوائی اڈّا شہر سے تقریباً پچاس میل کی دوری پر واقع تھا۔ مسافررات کے ٹھکانے سے بے خبر، کہاں جاتا۔

پریزیڈنٹ ہوٹل معظم جاہی روڈ پر قلب شہر میں واقع تھا۔ کمرا نمبر ۵ میں مقیم دیر ہو چکی تھی، ہوٹل کا کچن بند ہو چکا تھا مگر چائے میسر آ گئی۔ کچھ اور کی ضرورت بھی نہ تھی اور بھوک نہ تھی کیوں کہ جہاز میں کچھ کھا لیا تھا۔

۱۸ر اپریل: نماز فجر کے بعد افضل گنج تک سیر کے لیے گیا۔ موسی ندی کے کنارے جھگیاں انتہائی غلیظ، مکین مفلوک الحال۔ فٹ پاتھوں پر بہت لوگ سو رہے تھے۔ عثمانیہ ہسپتال کے سامنے کا لان کسی زمانے میں خوب صورت پارک

رہا ہوگا۔ اب تو ایک گوشے میں چند قبریں ہیں خستہ حالت میں اور اردگرد غلاظت۔۔۔فاتحہ پڑھی اور واپس۔

ناشتہ کمرے ہی میں مل گیا۔ یمی نار سہ پہر میں شروع ہونے والا تھا۔ معلوم ہوا پروفیسر اسلوب احمد انصاری، پروفیسر عبدالحق اور معین الدین عقیل بھی پہنچ گئے ہیں۔ اسلوب صاحب سے خط کتابت تو تھی، اب ملاقات باعثِ مسرت۔ ان کی تحریروں سے اُن کی شخصیت اور مزاج کا کچھ اندازہ ہوتا تھا۔ ملاقات سے قربت کا احساس بڑھ گیا۔ یمی نار کا مفصل پروگرام موصول ہوگیا۔

معروف محقق، نقاد اور مترجم جناب حسن الدین احمد صاحب سے ملاقات مقصود تھی۔ عقیل صاحب نے فون کیا۔ انھوں نے گاڑی بھیج دی۔ ان کے مکان "عزیز باغ" میں تقریباً ایک گھنٹا ملاقات رہی۔ حسن الدین احمد کا تعلق حیدرآباد کے ایک معزز گھرانے سے ہے۔ ان کے دادا نواب عزیز یار جنگ ولا ریاست میں اونچے مناصب پر فائز رہے۔ محقق اور جامع الکمالات شخصیت تھے۔ بیسیوں کتابوں کے مصنف۔ دو جلدوں میں تاریخ النوائط لکھی۔ لغتِ آصفیہ ۱۴ جلدوں میں مرتب کی، صرف 'ج' تک ہو سکی۔ اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ حسن الدین احمد کی وضع دار شخصیت نے بہت متاثر کیا۔ میں نے انھیں اپنی دو کتابیں پیش کیں۔ انھوں نے بھی اپنی چار تصانیف عنایت کیں۔ دادا کی طرح وہ بھی ایک محقق اور سکالر ہیں۔ "انگریزی نظموں کے منظوم اردو تراجم" پر انھوں نے پی ایچ ڈی کیا تھا۔ اپنے مقالے کے علاوہ انھوں نے منظوم تراجم کو مرتب کر کے دس جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔ عزیز ولا سے نکل کر ہم حسامی بک ڈپو پر گئے، چند کتابیں خریدیں۔ وہاں سے مکہ مسجد میں نماز جمعہ۔

واپس ہوٹل آ کر کچھ دیر آرام کیا، بعدہ، سب مندوبین جلسہ گاہ پہنچے۔ جگن ناتھ آزاد اور دیگر مندوبین سے ملاقات ہوئی۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت سید مظفر حسین برنی نے کی۔ اُن دونوں وہ صوبہ بہار کے گورنر تھے۔ اسٹیج پر وزیر اعلیٰ بھی براجمان تھے۔

اس اجلاس کی مفصل کارروائی "اقبال پر ایک یادگار اجتماع" کے عنوان سے مجلّہ اقبالیات لاہور (جولائی تا ستمبر ۱۹۸۶ء) میں لکھ چکا ہوں۔ افتتاحی اجلاس کی ایک دو باتیں قابلِ ذکر ہیں: ایک یہ کہ آغاز "ترانہ ہندی" (سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا) سے ہوا، جسے مقامی فائن اکیڈمی کے فن کاروں نے سازوں کی مدد سے گایا۔ "ہندی ہیں ہم" کے ٹکڑے کو بطور خاص تین مرتبہ گایا گیا۔ آندھرا پردیش کے وزیرِ اعلیٰ این ٹی راما راؤ کی سہ لسانی (انگریزی، تیلگو، اردو) تقریر بہت دل چسپ تھی۔ تقریر کے بعد انھوں نے اپنے مخصوص لہجے میں "ترانہ ہندی" "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت" اور "نیا شوالہ" کے بعض اشعار لہک لہک کر پڑھے تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ان کے ہندی زدہ لہجے نے محفل کو شگفتہ بنا دیا۔ انھوں نے بعض مصرعے اس انداز سے پڑھے کہ سامعین کو لطف دے گئے، مثلاً:

جس نے "حجاجیوں" کو دشتِ عرب سے چھڑایا

مٹی کو جس نے ''جز'' کا اثر دیا تھا

خاک وطن کا مجھ کو ہر ''جرہ'' دیوتا ہے

---

۲۰ راپریل (اتوار) کو سہ پہر کے اجلاس میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔علی سردار جعفری تقریر کر رہے تھے کہ عقب سے ایک نوجوان نمودار ہوا اور آگے بڑھ کر نہایت پھرتی سے سردار جعفری کے گلے میں جوتوں کا ہار ڈال دیا۔ پھر اسی تیزی سے مڑ کر بھاگ گیا۔ کچھ لوگ اس کے پیچھے لپکے مگر وہ چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔ منتظمین کی کوشش سے اس شرم ناک حرکت کی خبر، ایک آدھ کے سوا کسی اخبار نے نہ شائع کی۔ اجلاس کے دیگر مقررین اور منتظمین نے اس کی مذمت کی۔

نوجوان کی اس حرکت کا پس منظر یہ ہے کہ ان دنوں بھارتی حکومت نے کچھ ایسے عائلی قوانین منظور کیے تھے جو شریعتِ اسلامیہ سے متصادم تھے۔ مسلمان اس کے خلاف پورے بھارت میں احتجاج کر رہے تھے مگر ترقی پسند گروہ حکومت کا مؤید تھا۔ سردار جعفری ترقی پسندوں میں بہت نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

۱۹ اپریل کو پہلے سیشن کی صدارت گوپال ریڈی نے کی تھی، انھوں نے تیلگو میں اقبال کے منتخب کلام کا ترجمہ کیا ہے۔ صدارتی تقریر میں انھوں نے ''اقبال بحیثیت شاعر'' پر زور دیا۔ اس سیشن میں بھی ''سارے جہاں سے اچھا۔۔۔'' کی لَے نمایاں رہی۔

سیمی نار ختم ہوا تو دہلی واپسی میں تین روز باقی تھے۔ ظہیر الدین صاحب نے ہمیں حیدر آباد کے قابل دید مقامات دکھانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ چنانچہ صبح ناشتے کے بعد انھوں نے ہمیں وجیہ الدین احمد کی راہ نمائی میں حیدر آباد کی سیاحت پر روانہ کر دیا۔ وہ خود بہت دنوں سے چھٹی پر تھے۔ آج دفتر میں حاضری ضروری تھی۔ وجیہ الدین احمد ہمیں ایک موٹر میں لے چلے۔ وجیہ صاحب مقامی اوپن یونی ورسٹی میں اردو کے لیکچرار تھے۔ میری طرح تھے تو دھان پان مگر مہمانوں کی خاطر تواضع اور رہنمائی میں انھوں نے کمال مستعدی دکھائی۔ دن بھر مختلف یادگاریں دیکھنے میں گزرا۔ ان میں مکہ مسجد، چار مینار، سالار جنگ میوزیم، جامعہ عثمانیہ، قطب شاہی مقبرے، قلعہ گول کنڈا اور بعض ڈیم شامل تھے جن میں بارش کا پانی ذخیرہ کر کے حیدر آباد شہر کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔

یوں تو سبھی یادگاریں قابل دید تھیں لیکن سالار جنگ میوزیم نوادرات و عجائبات سے معمور تھا، جہاں ہم ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہی گزار سکے مگر جی چاہتا تھا کہ کم از کم ایک دن یہاں بسر کیجیے۔ ایک جگہ ایک بہت بڑا کلاک بنا ہوا تھا۔ بنانے

والے نے ایسی تکنیک سے بنایا تھا کہ ہر گھنٹے کے موقع پر کلاک کے عقب سے ایک آدمی نمودار ہوتا تھا اور وقت کی مناسبت سے دو بجے ہوں تو دو دفعہ، تین بجے ہوں تو تین دفعہ، علیٰ ہٰذ القیاس، بارہ بجے تک گھنٹا بجاتا تھا، جس طرح اسکولوں میں ٹن ٹن کی گھنٹی بجاتے ہیں۔ سالار جنگ میوزیم کیا چیز ہے۔ اس کے مفصل تعارف کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ مختصر یہ کہ میوزیم کی وہ عمارت ۳۵ کمروں پر مشتمل تھی جس میں ۳۵ ہزار اشیا نمائش کے لیے رکھی ہوئیں تھیں۔ مختلف ممالک کے لباس، جوتے، فرنیچر، برتن، گھڑیاں، قالین، تصویریں، پلنگ، کمبل، پنکھے، آلات زراعت جنگی اسلحہ اور ہتھیار، الماریاں، چولھے، کھیلوں کا سامان اور مصوری کے نمونے (ان میں عبدالرحمٰن چغتائی کے فن پارے بھی ہیں) وغیرہ۔ ایک ایک چیز کے دس دس پندرہ پندرہ نمونے اور اقسام۔ (میوزیم اب غالباً کسی اور عمارت میں منتقل ہوگیا ہے۔) نواب سر سالار جنگ نے جو ریاست حیدر آباد کے وزیر اعظم بھی تھے، اپنے ذوق کی تسکین کے لیے دنیا بھر میں گھوم پھر کر یہ نوادرات جمع کیے تھے۔

ان کا اصل نام میر یوسف علی خاں تھا۔ والدین ان کے بچپن ہی میں فوت ہوگئے تھے۔ اس لیے جاگیر Court of Ward کی حیثیت سے حکومت کی نگرانی میں چلی گئی اور ایک انگریز مسٹر ڈنلاپ اس کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔ سالار جنگ کو اپنے بچپن ہی سے نوادرات خریدنے کا شوق تھا۔ پھر بالغ ہونے پر وہ اپنی جاگیر کے مالک بنے۔ کچھ عرصہ چیف منسٹری کی آبائی خدمت بھی انجام دی۔ سیر وسیاحت کے دل دادہ تھے۔ انھوں نے دنیا کے مختلف ممالک کی سیاحت کے دوران مختلف علاقوں سے طرح طرح کے نوادرات خریدے اور کتابیں فراہم کر کر کے میوزیم میں جمع کرتے رہے۔ ان کا منصوبہ تھا کہ تین منزلہ عمارت بنائیں، ہر منزل کے ۱۰۰ کمرے ہوں، مجوزہ عمارت کا نقشہ بنا، زمین منتخب ہوئی مگر عملاً ابھی کچھ نہ کر پائے تھے کہ اللہ میاں نے بلا لیا۔

جب سالار جنگ فوت ہوئے تو حکومت اور ورثا کے درمیان کئی سال کشمکش رہی، ایک عارضی کمیٹی نے انتظام سنبھالا جس کے تحت سالار جنگ کے مکان کے بڑے حصے میں میوزیم تو قائم رہا مگر صدر کمیٹی نے کتب خانے کو نظر انداز کر دیا۔ خدا بھلا کرے، انجمن ترقی اردو اور نواب علی یار جنگ کا جن کی توجہ سے کتب خانہ ضائع ہونے سے بچ گیا۔ میوزیم مع کتب خانہ نشیب وفراز سے گزرتا رہا۔ کئی سال بعد یہ مرکزی حکومت کی تحویل میں چلا گیا جس نے میوزیم کے لیے ایک عالی شان عمارت کی منظوری دی۔ یہ بہت ہی نایاب ذخیرہ ہے، دس ہزار تو قلمی کتابیں ہیں اور دو ہزار ایسے مخطوطے ہیں جن کا کوئی اور نسخہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ (نصیر الدین ہاشمی، ہماری زبان، یکم فروری ۱۹۵۹ء)

شہر میں گھومتے ہوئے کچھ دور تک ہم موسی ندی کے کنارے بھی چلے۔ ندی کے کنارے بعض نہایت شاندار عمارات واقع ہیں، جیسے سرکاری ہسپتال یا کتب خانۂ آصفیہ (سٹیٹ سنٹرل لائبریری) وغیرہ۔ نظام کے محلات دور سے دیکھے۔ یہاں سے گزرتے ہوئے مجھے مولانا ظفر علی خاں یاد آئے جنھوں نے موسی ندی کی ۱۹۰۸ء کی طغیانی کے بعد

حکومت کے قائم کردہ افضل گنج کے لنگر خانے کا نہایت عمدہ انتظام کیا تھا۔ موسی ندی کا یہ سیلاب بہت ہول ناک تھا جس نے بڑی تباہی مچائی تھی۔

روایت ہے کہ تقریباً ۱۰ تا ۱۵ ہزار لوگ اس طغیانی کی نذر ہو گئے۔ ۱۹۰۰۰ ہزار مکانات منہدم ہوئے۔ تقریباً ۸۰ ہزار افراد بے گھر ہو گئے اور تین کروڑ روپے (اس زمانے کے تین کروڑ) کا مال و اسباب برباد ہو گیا۔ عمارتوں کی چھتوں، اونچے پلوں اور درختوں پر پناہ لیے ہوئے لوگ بھی سیلاب میں بہہ گئے۔ جونہی سیلاب ختم ہوا حکومت نے کئی جگہ لنگر خانے کھول دیے۔ مولانا ظفر علی خاں اس زمانے میں حیدر آباد میں مقیم تھے۔ انھیں محلہ افضل گنج کے لنگر خانے کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ کچھ سرکاری ملازمین ان کی اعانت کے لیے بھیجے گئے۔ یہ لنگر خانہ ۱۵ دن قائم رہا۔ ۵ ہزار آدمیوں کو دو وقت کھانا دیا جاتا تھا۔ ظفر علی خاں شاعر، مقرر اور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت عمدہ منتظم بھی ثابت ہوئے۔ انھوں نے کمال لیاقت و قابلیت اور حسنِ تدبیر و تنظیم سے لنگر خانے کو چلایا۔ حکومت کے ہندو مسلم اور انگریز عہدے داروں نے ان کی تعریف کی۔ ظفر علی خاں نے تیس صفحات پر مشتمل رپورٹ مرتب کر کے رپورٹ کار گزاری لنگر خانہ افضل گنج کے نام سے شائع کر دی۔ راقم نے اپنی کتاب تفہیم و تجزیہ (لاہور ۱۹۹۹ء) میں اس رپورٹ کے حوالے سے ظفر علی خاں کے کارنامے کا تعارف کرایا ہے۔ عنوان ہے: "حیاتِ ظفر علی خاں کا ایک ورق"۔

مجھے بانگ درا کی نظم "گورستانِ شاہی" کے حوالے سے قطب شاہی بادشاہوں کے مقابر دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ یہ مقابر شہر سے دس کلو میٹر باہر واقع ہیں۔ علامہ اقبال نے رات کی چاندنی میں مقبروں کا نظارہ کیا تھا۔ حیدر آباد میں ان کے میزبان سر اکبر حیدری تھے۔ اقبال لکھتے ہیں کہ اکبر حیدری: "مجھے ایک شب ان شاندار، مگر حسرت ناک گنبدوں کی زیارت کے لیے لے گئے، جن میں سلاطینِ قطب شاہیہ سو رہے ہیں۔ رات کی خاموشی، ابر آلود آسمان اور بادلوں میں سے چھن کر آتی ہوئی چاندنی نے اس پُر حسرت منظر کے ساتھ مل کر، میرے دل پر ایسا اثر کیا، جو کبھی فراموش نہ ہوگا"۔ بانگِ درا کی نظم "گورستانِ شاہی" علامہ کے اسی سفر کی یادگار ہے۔

ہم دو پہر کے وقت وہاں پہنچے تھے۔ فضا میں تمازت تھی۔ گھوم پھر کر مقبرے دیکھے۔ سب مقبروں کا انداز ایک جیسا تھا۔ ادھر ادھر عام لوگوں کی قبریں بھی تھیں۔ درمیان میں اورنگزیب عالمگیر کی تعمیر کردہ ایک مسجد بھی ہے۔ میں درخت کی سائے میں ایک قبر کے کنارے بیٹھ گیا۔ "بانگِ درا" کھولی، نظم "گورستانِ شاہی" دیکھنے لگا۔

سوتے ہیں خاموش ، آبادی کے ہنگاموں سے دُور
مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوے ناصبور
قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک
جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک

کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مآل
جن کی تدبیر جہاں بانی سے ڈرتا تھا زوال
رعب فغفوری ہو دنیا میں کہ شانِ قیصری
ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی
بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

ماحول میں خاموشی تھی۔ مقبرے اونچی جگہ واقع تھے اور دونوں اطراف نشیب میں جنگل نظر آ رہا تھا۔ قبروں کی زیارت یوں بھی عبرت دلاتی ہے اور علامہ بھی کہہ رہے تھے:

بادشاہوں کی بھی کشتِ عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

یہاں دنیا کی بے ثباتی، اور حکمرانی وجاہ و منصب کی بے حیثیتی کا احساس ہوتا ہے اور انسان سوچتا ہے کہ وہ عظمت کی جتنی بلندیوں تک بھی چلا جائے، آخرکار اسے مٹی ہی میں مل جانا ہے۔

دکن کے قابلِ دید مقامات میں سے ایک اور قابلِ دید چیز قلعۂ گول کنڈا ہے جو ایک زمانے تک قطب شاہی حکومتوں کا صدر مقام رہا۔ یہ شہر سے گیارہ کلومیٹر باہر واقع ہے۔ چار پانچ صدیاں پرانا قلعہ، پانچ میل کے دائرے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ۹ دروازے اور ۵۲ کھڑکیاں ہیں۔ فصیل پر ۴۸ برج ہیں۔ ۱۸۶۷ء میں اورنگ زیب عالم گیر ۸ ماہ یہاں مقیم رہا۔ موسم گرم تھا اور وقت پختہ دوپہر، مسلسل چڑھائی، اوپر کے محلات تک پہنچتے میں تو نڈھال ہو گیا مگر چاروں طرف کا نظارہ خوب تھا۔ کھیت، جنگل اور کہیں کہیں آبادی۔ ایک دوسرے کو قطع کرتی سڑکوں پر رواں دواں ٹریفک، کاریں اور موٹریں بلندی سے ماچس کی ڈبیائیں معلوم ہوتی تھیں۔ قلعے کی بناوٹ میں خاص بات یہ ہے کہ معماروں نے نیچے کے داخلہ دروازے سے لے کر چوٹی کے محلات تک راستوں، دیواروں اور گنبدوں کی بناوٹ ایسی رکھی ہے کہ اگر نیچے کھڑے ہوئے تالی بجائیں تو اس کی آواز چوٹی تک پہنچتی ہے اور اگر چوٹی پر کسی خاص جگہ تالی بجائیں تو آواز نیچے سنائی دیتی ہے جو اکسٹھ میٹر بلند ہے۔ ایک کتابچے میں بتایا گیا ہے۔ **The most remarkable feature of this**

by a clapping of the hands atfort is the system of acoustic, where

meter the entry gate can be heard at the top of the Fort some 6

high.

کہا جاتا ہے کہ تالی کی مختلف طرح کی آوازوں کے کوڈ مقرر کیے گئے تھے جن کے ذریعے پیغام رسانی ہوتی

تھی۔

قدیم عمارتوں اور قلعوں، خاص طور پر مغلوں کی تعمیرات میں اس طرح کی ڈیوائس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

بالکل زمانہ حال کی ایک مثال تو سامنے کی ہے۔ خانوادۂ سرسید احمد خاں کے ایک بزرگ، آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ اور عربی زبان وادب کے فاضل، ڈاکٹر سید عابد احمد علی، تقریباً آٹھ برس تک گورنمنٹ کالج سرگودھا کے پرنسپل رہے۔ کالج کے وسیع کیمپس میں مسجد نہ تھی۔ یہ چیز انھیں کھلتی تھی۔ پروفیسر صاحب زادہ عبدالرسول صاحب کے بقول: ڈاکٹر صاحب کہا کرتے تھے کہ مملکتِ خداداد پاکستان میں کسی تعلیمی ادارے کا تصور اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک اس میں ایک نہایت شاندار مسجد موجود نہ ہو۔ انگریزوں نے برصغیر میں جہاں بھی تعلیمی ادارے قائم کیے، ان کے ساتھ خوبصورت گرجے بھی قائم کیے۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں کسی تعلیمی ادارے میں گرجے یا مسجد کی محض موجودگی طلبہ کے لاشعور اور اندازِ فکر پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سرکار سے اجازت لے کر طلبہ پر ایک روپیا ماہوار مسجد فنڈ عائد کردیا جو فیسوں کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ کچھ مخیّر حضرات نے عطیات دیے۔ خیال رہے کہ اس زمانے میں کسی گورنمنٹ کالج میں مسجد کا تصور، خیالِ خام تھا لیکن ڈاکٹر صاحب عزمِ صمیم رکھتے تھے۔ حکومت سے اجازت حاصل کر کے مسجد تعمیر کی۔ مسجد کی محراب، مسجدِ قرطبہ کی محراب طرز کی تھی۔ اس محراب کا ڈیزائن ایسا تھا کہ اس میں کھڑے ہو کر جو کلمات کہے جائیں وہ، مسجد کے مسقف حصے اور صحن میں ہر جگہ، بلکہ مسجد سے باہر بھی سنے جاسکتے تھے۔ اگر مسجد کے احاطے میں داخلے کے دروازے پر کھڑے ہو کر بات کی جاتی یا کوئی کلمہ ادا کیا جاتا تو محراب میں آواز صاف سنائی دیتی تھی حالانکہ اتنے فاصلے پر آواز کسی تار کے بغیر نہیں پہنچتی۔ افسوس ہے کہ چند برس قبل مسجد کا محراب توڑ کر مغربی رخ پر مسجد میں توسیع کی گئی اور اس کے نتیجے میں محراب کی یہ نادر خوبی ختم ہوگئی۔ اسے اب "جامع عابد" کا نام دیا گیا ہے۔

اگر گول کنڈا سے قطب شاہی مقابر کی طرف جانا چاہیں تو بائیں گھوم کر جاتے ہیں۔ گول کنڈا سے مغرب کی طرف جانے والی سڑک گنڈی پیٹ تالاب پر بنے پل سے گزرتی ہے۔ دراصل یہ بہت لمبی جھیل ہے۔

ان دو دنوں میں تاریخی آثار دیکھنے کے علاوہ، بعض اداروں (جامعہ عثمانیہ، کتب خانہ آصفیہ، ادارہ ادبیات اردو اور آندھرا پردیش سٹیٹ آرکائیوز) جانے کا اتفاق بھی ہوا۔ جامعہ عثمانیہ کی موجودہ عمارت ۱۹۴۰ء میں مکمل ہوئی تھی۔ دومنزلہ عمارت میں نیچے کی منزل ہندو فنِ تعمیر اور اوپر کی عمارت مسلم فنِ تعمیر کا نمونہ ہے۔ اس کی کھڑکیاں مسجد قرطبہ کی محرابوں کی طرز پر ہیں۔ دیواریں، موسمی اثرات سے بچانے کے لیے ساڑھے تین فٹ دبیز ہیں۔ شعبہ اردو میں ڈاکٹر یوسف سرمست، ڈاکٹر مرزا علی اکبر بیگ، ڈاکٹر سیدہ جعفر، اشرف رفیع، اور بیگ احساس اور شعبہ اسلامیات میں ڈاکٹر انور معظم سے ملاقات ہوئی۔ یہ سب حضرات سیمی نار میں بھی آتے رہے۔ کیمپس بہت وسیع ہے۔ کالج آف ایجوکیشن، آرٹس کالج، لا کالج، انجینئرنگ کالج، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لینگویجز کے درمیان ٹیگور آڈی ٹوریم واقع ہے۔ یونی ورسٹی

کتب خانے کا حوالہ جاتی سیکشن خاصا بڑا ہے۔ مگر پاکستانی کتابیں بہت کم ہیں۔ ایک لائبریرین نے کہا ہم پاکستانی کتابوں کے لیے ترستے ہیں۔ وائس چانسلر کے دفتر پر بھارتی جھنڈا لہرا رہا تھا۔

خیرت آباد کے پنج گٹہ روڈ پر ادارہ ادبیات اردو کی عمارت تو خوب صورت ہے مگر انتظام اچھا نہیں ہے۔ میوزیم نادر مخطوطات، فرامین، سکوں، ہتھیاروں اور کتبوں پر مشتمل ہے۔ دیکھ بھال کا انتظام معقول نہیں ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے جانے کتنے جتنوں سے یہ نوادر جمع کیے ہوں گے۔ عقیل صاحب نے بتایا ہے کہ اب یہ ادارہ ایک نئی عمارت میں منتقل ہو چکا ہے اور اس کی حالت بہت بہتر ہے۔

آندھرا پردیش سٹیٹ آرکائیوز کا چکر بھی لگایا، وہاں سے حوالے کی چند کتابیں خریدیں۔ داؤد اشرف اور شکیل احمد صاحبان سے ملاقات ہوئی، دونوں حضرات نے آرکائیو سے نادر چیزیں نکال کر شائع کی ہیں۔ شکیل صاحب کی ''اقبال پر نئی تحقیق'' تو اقبالیات پر اہم اضافہ ہے۔

کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد کا بہت بڑا کتب خانہ ہے۔ کچھ وقت وہاں گزرا۔ اندازہ ہوا کہ پاکستان کی نسبت وہاں کے طلبہ و طالبات میں لائبریری میں بیٹھ کر کام کرنے کے رجحان زیادہ ہے۔ کتب خانہ آصفیہ کے بعض حصے رات ۱۲ تک کھلے رہتے ہیں۔

حیدر آباد کے بعض ادبی اکابر کا ذکر کتابوں، رسالوں میں پڑھا تھا، کبھی زیارت نہ ہوئی تھی۔ گذشتہ ۵،۶ روز میں وقت نکال کر ہم نے کئی لوگوں سے ملاقات کی۔ ظہیر صاحب، اقبال اکادمی کے بانی خلیل اللہ حسینی کے گھر لے گئے۔ سیمی نار کی ایک نشست کے دوران، اجازت لے کر، ہم نے دکن کے معروف اقبال شناس جناب غلام دستگیر رشید کے ہاں حاضری دی۔ دکن میں فروغ اقبالیات میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح معروف محقق حسینی شاہد اور ان کی بیگم زینت ساجدہ سے بھی ان کے گھر میں مختصر ملاقات کی۔ وہ ماں صاحب پیٹ کے علاقے میں رہتے تھے۔

عقیل صاحب تو حیدر آباد کے بہت سے لوگوں سے ربط و ضبط رکھتے تھے۔ بعض حضرات میرے نام سے بھی واقف تھے چنانچہ بہت سے کرم فرماؤں نے دعوت طعام، چائے کے لیے گھر بلانا چاہا، مگر ہم نے طے کر لیا کہ کسی دعوت میں نہیں جائیں گے۔ مگر ہمارا یہ عزم برقرار نہ رہ سکا بزرگ محقق اکبر الدین صدیقی ایک روز ہوٹل تشریف لے آئے اور ایک شام دعوت کے لیے اصرار کیا۔ وہ اس پیرانہ سالی میں رکشا پر آئے تھے، ہم انکار نہ کر سکے اور دوسرے دن ان کے ہاں حاضری دینی پڑی۔ ایک شب، غالباً حیدر آباد میونسپل کمیٹی نے حیدر آباد کلب میں، مندوبین کو عشائیہ دیا۔ یہاں بہت سے حیدر آبادی رؤسا سے ملاقات ہوئی۔ بعض دوست ہوٹل میں آتے رہے۔ ڈاکٹر محمد علی اثر علیل تھے مگر زحمت کر کے ملنے آئے۔ چند تصانیف عنایت کیں ان میں کتابیات دکن و دکنیات بھی تھی جسے راقم کی درخواست پر استاد محترم ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے شائع کر دیا۔ بعض ازاں اثر صاحب سے خط کتابت جاری

رہی۔ جامعات کے تحقیقی مقالات سے متعلق انھوں نے قیمتی معلومات مہیا کیں۔ اسی طرح ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ اور ڈاکٹر یوسف عالمی بھی تشریف لائے۔ دعوت طعام سے تو معذرت کی مگر تصانیف بصد مسرت قبول کیں۔ افسوس ہے کہ میرے پاس ان حضرات کو تحفہ دینے کے لیے اپنی کتابیں نہیں تھیں۔ لاہور پہنچ کر، مقدور بھر تحائف دوستوں کو روانہ کیے۔

میرے دوست محمد رفیع الدین فاروقی (متعلم ایم فل) ایک روز نواب مرزا داغ اور امیر مینائی کی قبریں دکھانے لے گئے۔ اس طرح فاروقی نے وہ کمرہ (کوٹھری) بھی دکھائی جس میں ابو محمد مصلح کے جاری کردہ رسالے ترجمان القرآن کا دفتر قائم تھا۔ بعد ازاں یہ رسالہ ان سے مولانا مودودی نے لے لیا۔ قیاس ہے کہ اس دفتر میں مولانا کی آمد و رفت رہی ہوگی۔

اگلے روز عقیل صاحب علی الصبح کسی دوست کے ساتھ بیدر، اودگیر اور اورنگ آباد کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اودگیر اُن کی جائے ولادت ہے، جس کی زیارت کے لیے ان کا اشتیاق قدرتی تھا۔ جی تو میرا بھی بہت چاہتا تھا کہ اورنگ آباد (اورنگزیب عالمگیر کا مدفن اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کا شہرِ ولادت) دیکھوں مگر یہاں حیدر آباد میں مجھے کچھ زیادہ ضروری کام تھے اس لیے باز رہنا پڑا۔

ڈاکٹر گیان چند سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس زمانے میں حیدر آباد کی سنٹرل یونی ورسٹی سے وابستہ تھے۔ سیمی نار میں بطور مقالہ نگار مدعو تھے مگر سوئے اتفاق سے وہ صرف ایک روز ہی سیمی نار میں آ سکے کیوں کہ چند روز پہلے ان کے پاؤں میں چوٹ لگی تھی اور وہ چلنے پھرنے میں دقت محسوس کرتے تھے۔ یوں ملاقات، جو ہم دونوں کی خواہش تھی کہ طویل ہونی چاہیے، بہت مختصر رہی۔ ان کی قیام گاہ دور تھی اور سیمی نار کے بعد حیدر آباد میں میرا قیام صرف تین روز تھا۔ پہلے دو روز حیدر آباد کے قدیم تاریخی آثار و مقامات دیکھنے اور صوبائی محکمہ آثار قدیمہ کے دفاتر میں بعض اقبال دوستوں سے ملاقاتوں میں صرف ہو گئے۔

سیمی نار کی مختصر ملاقات میں، گیان چند مجھے سنٹرل یونی ورسٹی کیمپس میں واقع اپنے مکان پر مدعو کر گئے تھے اور میں نے حاضر ہونے کا وعدہ بھی کر لیا تھا مگر وقت کم تھا اور کام زیادہ۔ میرے پاس صرف ایک دن آخری بچا ہوا تھا۔ کام دو تھے:

۱۔ ڈاکٹر گیان چند سے ملاقات

۲۔ اقبال اکیڈمی کے کتب خانے سے کتابیاتِ اقبال کے لیے معلومات، حوالوں اور لوازمے کا حصول۔

یہ دونوں کام بہت اہم تھے۔ ایک شب پہلے تو میں شش و پنج میں رہا، پھر میں نے کتب خانے سے استفادے کو اولیت دینے کا فیصلہ کیا اور یہ فیصلہ درست ثابت ہوا کیوں کہ اکیڈمی کا کتب خانہ دوبارہ دیکھنے کا آج تک موقع نہیں ملا

جبکہ گیان چند صاحب سے ملاقات کا موقع چند سال بعد لاہور میں نکل آیا۔

اقبال اکیڈمی کے کتب خانے پہنچا۔ ذخیرۂ اقبالیات دیکھ کر اندازہ ہوا کہ کتب خانے میں بیٹھ کر کام مکمل کر لینا ممکن نہ ہوگا کیوں کہ لوگوں کی آمد و رفت اور ملاقاتوں میں کام نہیں ہو سکتا تھا، جن جن کتابوں سے معلومات اخذ کرنا مقصود تھا، وہ سب ظہیر الدین صاحب نے الگ نکلوا کر میرے ہوٹل کمرے میں پہنچا دیں۔ میں پورا دن کتابوں، رسالوں اور کتابچوں کے کوائف نوٹ کرتا رہا، حتیٰ کہ شام پڑ گئی۔ سوچا تھا کہ اگر شام کو وقت نکلا تو گیان چند سے ملنے چلا جاؤں گا۔ معلوم ہوا کہ سنٹرل یونی ورسٹی کیمپس خاصا دور ہے۔ اب ممکن نہ تھا کہ ڈاکٹر گیان چند سے ملاقات کے لیے جاؤں۔ ابھی مجھے اپنا سامان بھی باندھنا تھا، سو میں نے اسی شب میں ہوٹل ہی سے انھیں خط لکھ کر وعدہ خلافی کی معذرت چاہی۔ اپنی محرومی پر اظہار افسوس کیا اور جواباً ان کا ۵رمئی ۱۹۸۶ء کا خط موصول ہوا جس میں انھوں نے ملاقات نہ ہونے پر اپنے قلق کا اظہار کرتے ہوئے لکھا: ''تمام مندوبین میں صرف آپ سے ملنے کا اشتیاق تھا کیوں کہ آپ محققین اقبال میں بلند مقام رکھتے ہیں''۔ یہ گیان چند کی بڑائی تھی۔ اسی خط میں انھوں نے لکھا کہ ''مجھے یقین ہے کہ آپ سے کبھی نہ کبھی پھر ملنا ضرور ہوگا''۔

ان کی توقع یا پیش گوئی کوئی دس گیارہ برس بعد ۱۹۹۷ء میں اس وقت پوری ہوئی جب وہ اپنی بیگم کے ہمراہ چند روز کے لیے لاہور آئے۔ ہماری ایک ملاقات تو ڈاکٹر گیان چند کے اعزاز میں دی گئی اس دعوت استقبالیہ میں ہوئی جس کا اہتمام مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کے ناظم ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی طرف سے کیا گیا تھا۔ دوسری بار راقم اور ڈاکٹر تحسین فراقی ان کی قیام گاہ (محمد طفیل مرحوم کی ''نقوش منزل'' واقع نیو مسلم ٹاؤن) پر جا کر ان سے ملے۔ جاوید طفیل ان کے میزبان تھے۔

۲۴راپریل علی الصبح میں تیار ہو گیا۔ ظہیر الدین صاحب اتنی دیر تک آ گئے۔ انھوں نے مجھے ایک اور ساتھی کے حوالے کرتے ہوئے رخصت چاہی کیوں کہ اگر وہ مجھے ریلوے اسٹیشن تک پہنچانے آتے تو ان کا دفتر بروقت پہنچنا ممکن نہ تھا، چنانچہ ان سے الوداع ہو کر ہم سکندر آباد ریلوے اسٹیشن پہنچے، جہاں سے ریل پر سوار ہونا تھا۔

ریلوے گارڈ سے برتھ کی درخواست کی۔ گارڈ نے کہا: کوئی دو گھنٹے بعد فلاں اسٹیشن (نام بھول گیا) سے برتھ مل جائے گی۔

ریل سبک رفتار تھی۔ دو گھنٹے بعد، دو قلی آئے اور انھوں نے میرا سامان دوسرے ڈبے میں منتقل کر دیا، جہاں برتھ مل گئی۔ یہ کام انھوں نے بلا معاوضہ کیا تھا۔ یہ ان کی ڈیوٹی میں شامل تھا۔ میں برتھ پر لیٹ گیا، اونگھتا سوتا رہا حیدر آباد میں تقریباً ایک ہفتہ گزار کر، میں واپس جا رہا تھا۔ خیال آیا۔ حیدر آباد کی ریاست ہندوستان میں سب سے بڑی مسلم ریاست تھی۔ مگر اب یہ نابود ہو چکی ہے۔ اب مسلمان یہاں اقلیت میں ہیں۔ بھارت کے بعض دوسرے علاقوں کی طرح

یہاں بھی حالات تشویش ناک ہوتے جا رہے ہیں اور اس کا اندازہ مجھے دوران قیام ایک روز ایک دوست کے گھر فسادات کے دنوں کی بعض تصاویر دیکھ کر ہوا تھا۔ تصاویر سے بالکل واضح تھا کہ پولیس جانب دار ہے مسلمانوں کے مکانوں، دکانوں اور پٹرول پمپوں کو فسادی آگ لگا دیتے ہیں۔ فائر بریگیڈ اتنی دیر سے پہنچتا ہے کہ سب کچھ جل چکا ہوتا ہے۔ یاد آیا کہ ریاست حیدر آباد کے مخدوش مستقبل کا اندازہ علامہ اقبال نے نصف صدی پہلے کر لیا تھا۔ پروفیسر حمید احمد خاں کی ایک روایت ملتی ہے۔ وہ علامہ سے ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ہم چند دوست علامہ کی خدمت میں حاضر تھے باتیں ہو رہی تھیں۔ ''کسی نے برعظیم میں مسلمانوں کے مستقبل کے مسئلے پر بات کرتے ہوئے یہ کہہ دیا: ''لیکن حیدر آباد کا انجام کیا ہوگا؟'' ڈاکٹر صاحب نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر انگریزی میں جواب دیا: ''حیدر آباد فنا ہو کر رہے گا (Haidarabad must go under) اس لیے کہ حیدر آباد کے مسلمانوں نے تبلیغ اسلام کے فریضے کو صدہا برس تک فراموش کیے رکھا''۔ (اقبال کی شخصیت اور شاعری، ص ۴۳)

مجھے یاد آیا کہ مولانا مودودی نے بھی ایک خط میں ریاست حیدر آباد کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے تقریباً اسی طرح کے خیالات ظاہر کیے تھے۔ مولانا کی زندگی کا بہت سا عرصہ دکن میں گزرا تھا۔

دسمبر ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد کے کسی شخص نے مولانا سے چند استفسارات کیے۔ مولانا نے طویل خط میں جوابات دیے۔ اس میں تقسیم ہند کے نتیجے میں دہلی، مغربی یوپی اور مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے اخراج (قتل و غارت گری) کے اسباب کا ذکر کیا اور اسی خط میں مزید لکھا کہ یوپی، بہار وسط ہند کے مسلمانوں کے سر پر تباہی منڈلا رہی ہے حالانکہ یہاں سات آٹھ سو سال تک مسلمانوں کا اقتدار رہا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی بڑی بڑی عظیم الشان جاگیریں قائم رہی ہیں اور جہاں مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے علوم و فنون کے عظیم الشان مرکز موجود رہے ہیں لیکن عیاشی، دنیا میں انہماک، فوجی طاقت اور سیاسی اقتدار اور انحصار، اسلام کی دعوت پھیلانے سے تغافل اور انفرادی سیرتوں اور اجتماعی طرز عمل سے اسلام کے اخلاقی اصولوں سے انحراف کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان علاقوں کی عام آبادی غیر مسلم رہی۔ نمک کے برابر رہے اور دلوں کو مسخر کرنے کی بجائے معاشی اور سیاسی دباؤ سے گردنیں اپنے سامنے جھکوانے پر اکتفا کرتے رہے۔

علامہ اقبال نے تو مسلمانوں کی تباہی کا صرف ایک ہی سبب بتایا تھا ''تبلیغ اسلام کے فریضے'' سے غفلت پر مولانا نے ''اسلام کی دعوت پھیلانے سے تغافل کے ساتھ تباہی کی بہت سی دوسری وجوہ کی نشان دہی بھی کی ہے۔

میں حیدر آباد کے خیالات میں غلطاں و پیچاں اور ریل گاڑی فرّاٹے بھرتے ہوئے بھوپال سے قریب تر ہو رہی تھی۔ الوداع حیدر آباد، الوداع دکن۔

ظہر کے قریب میں برتھ سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا۔ ریل کے سفر میں، اگر دن کا وقت ہو تو باہر کا نظارہ بہت دل چسپ ہوتا ہے۔ کھیت، کھلیان، درخت، پودے، نشیب و فراز، جنگل، دریا، جھیلیں، صحرا، چٹیل میدان۔

ناگ پور کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی رکی۔ یہاں کے سنگترے بہت مشہور ہیں۔ میں نے چند ایک سنگترے خریدے اور ریل پھر روانہ۔

سامنے کی نشست پر ایک مرد معقول بیٹھے تھے۔ میں نے واسکٹ اور جناح کیپ پہن رکھی تھی جس سے میرے پاکستانی ہونے کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔ اُن سے بات چیت ہونے لگی اور عجیب اتفاق ہوا کہ دہلی پہنچ کر ایک روز رکا تھا تو میں نے سوچا ڈاکٹر نسرین اختر کی امانت فون کر کے ان کے عزیزوں کو پہنچادوں۔ فون کیا تو اُن کے لڑکے نے کہا، والد تو دہلی سے باہر گئے ہیں۔ میں آجاتا ہوں۔ دونو جوان لڑکے آئے اور امانت لے گئے۔ یہ دونو جوان تھے اور اردو نہیں پڑھ سکتے تھے اس لیے ڈاکٹر نسرین کا خط نہ پڑھ سکے۔ اب ان مرد معقول سے باتیں کرتے کرتے پتا چلا کہ یہی ان کے والد ہیں جو واپس دہلی جارہے ہیں۔ ان سے ملاقات معلومات افزا رہی۔

ہاں یہ بتادوں کہ پہلے روز جب میں دہلی پہنچا تھا تو ریلوے اسٹیشن سے بلّی ماراں ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے بازاروں میں دکانوں کے سائن بورڈ کہیں کہیں اردو میں بھی نظر آئے مگر اندازہ ہوا کہ اردو ختم ہوتی جارہی ہے۔ ڈاکٹر نسرین اختر کی امانت کے ساتھ ان کا خط بھی تھا۔ میں نے ان دونوں لڑکوں سے کہا کہ خط پڑھ لیجیے اور ہو سکے تو جواب لکھ دیجیے۔ وہ کہنے لگے! ہم اردو نہیں پڑھ سکتے۔ والد صاحب پڑھ لیتے ہیں۔ مجھے بہت تعجب ہوا مگر بعد کے سالوں میں جو حالات پیش آئے، ان کی وجہ سے یہ تعجب ختم ہو گیا اور اب تو معاملہ بہت آگے تک چلا گیا ہے۔

خیر، تقریباً عشا کے وقت ریل گاڑی بھوپال پہنچ گئی۔

[------جاری ہے]

☆☆☆☆

قسط دہم

انوارالکریمین

پروفیسر محمد انور بابر

دارزم زم سے دیارِحرم (جنت) تک:

پاسپورٹ آفس (مدینہ منورہ) کی مسجد میں نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد ہماری گاڑی روانہ ہوئی اور مسجد نبوی ﷺ کے درودیوار کے اردگرد گھومتی ہوئی "دارزم زم" کے سامنے رُکی۔ یہ ہماری رہائش گاہ تھی۔ بالائی منزل پر بذریعہ لفٹ پہنچے۔ کئی کمرے تھے۔ ہمیں دو بڑے کمرے دے دیئے گئے۔ ساتھ ہی کچن تھا جس میں گیس، فریزر کا انتظام تھا۔ اے۔سی چل رہے تھے۔ غسل خانوں اور لیٹرین کی سہولت بھی میسّر تھی۔ سامان رکھا اور عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لئے مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہوئے؛ جماعت ہو چکی تھی۔ مواجہ شریف کے سامنے حاضری کا سلسلہ منقطع تھا۔ گروپ لیڈر کی قیادت میں باب بقیع کے لان کی طرف آئے۔ اور گنبدِ خضریٰ کا پہلی بار نظارہ کیا اور کرتے ہی گئے۔

نظارے کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

حضور حضورِ اعلیٰ میں حاضری:

زہے نصیب اگلے روز علی الصبح غسل کیا، صاف کپڑے پہنے، خوشبو لگائی۔ نمازِ فجر آقا و مولا ﷺ کی پاکیزہ مسجد میں باجماعت ادا کی۔ اور نماز کے بعد روضۂ اقدس پر حاضری دینے والی قطار میں کھڑا ہو گیا۔

ترے کرم پہ نظر ہے کریم! کردے کرم
میں تیرے در کا بھکاری ہوں اور قطار میں ہوں

قطار ریاض الجنت سے ہوتی ہوئی محرابِ نبوی ﷺ کے ساتھ والے اُس دروازے میں داخل ہوئی جس سے سرکار دوعالم ﷺ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لاتے وقت داخل اور پھر اسی دروازہ سے اپنے حجرۂ مبارکہ کو واپسی فرماتے۔ سبحان اللہ! ذرا سی دیر میں مواجہ شریف کے سامنے روضۂ انور کی جالی مبارک کے سامنے کھڑے تھے۔

ورطۂ حیرت میں گم سُم سر جھکائے حضورِ والا کے حضور میں مجرم کی طرح حاضر تھا۔ درود و سلام کس طرح عرض کیا یاد نہیں۔ امیرِ دعوت اسلامی مولانا الیاس قادری صاحب فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں عادت کریمانہ تھی کہ آپ سلام کرنے میں پہل فرماتے اور کسی اور کو پہل کرنے کا موقع نہ دیتے۔ چناں چہ روضۂ انور

☆ پروفیسر (ر)، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت، خیبر پختون خواہ

میں آج آپ کی شانِ کریمہ وہی ہے جو بھی مواجہ شریف کے سامنے آتا ہے آپ ﷺ ہی سلام فرماتے ہیں۔زائر بعد میں عرض گزار ہوتا ہے۔

روضۂ انور، پُرنور جالیوں کے سامنے بالمشافہ حاضری۔۔۔اللہ اللہ۔! الطاف وعنایات کی انتہا ہے۔انسانوں کو شرمندگی سی ہوتی ہے کہ کہاں میں اور کہاں سرکارابدقرار ﷺ کی یہ نوازشات۔خاک در چہ نسبت بہ عالم پاک۔

دیدار کے قابل ہی کہاں میری نظر ہے
یہ تیری عنایت ہے کہ رُخ تیرا اِدھر ہے

اللہ اللہ!ایسی کرم نوازی پر اظہار تشکر کے لیے وہ الفاظ کہاں سے لائیں جائیں جو کما حقہ اس کا حق ادا کر سکیں۔ پھر بھی ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں جو عرض کیا۔نذرِ قارئین کرتا ہوں۔

سپاس نامہ بحضور سرورکونین ﷺ

در پہ بُلوایا ہے احسان مدینے والے
قلب و جاں آپ پہ قربان مدینے والے

آپ کے سر پہ لولاک کی دستار ازل
آپ ہستی کا ہیں عنوان مدینے والے

آپ کعبے کے بھی کعبہ ہیں حبیب اکبر
آپ سے کعبہ کی شان مدینے والے

منبر و حجرہ کے مابین ریاض الجنۃ
جانیں کیا خُلد کے رضوان مدینے والے

منزلت اُس درِ اقدس کی کوئی کیا جانے
جس کا جبریلؑ ہو دربان مدینے والے

ہم کہ نا واقفِ آداب محبت ٹھہرے
کیسے ہو آپ کی پہچان مدینے والے

سانس لینا ہی در پاک پہ ہے بے ادبی
در گزر کیجیے سلطان مدینے والے

میں کہاں اور آپ کے کوچے کی بہار
اپنی قسمت پہ ہوں حیران مدینے والے

زہے نصیب، اسی طرح روزانہ دربار گوہر میں حاضری ہونے لگی۔ روزانہ غسل کرتا اور بوقتِ تہجد حاضر ہوتا۔ ایک ہفتہ کا مختصر قیام؛ اور پھر چالیس نمازوں کی باجماعت ادائیگی کا احساس اس امر پر اُکساتا کہ حرم نبوی ﷺ میں حاضری کو ہر کام پر مقدم رکھا جائے۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں لگاتار ادا کرے اور درمیان میں کوئی نماز فوت نہ ہو تو وہ دوزخ کی آگ اور نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔ (ترمذی۔ مسندِ احمد)

مسجد نبوی ﷺ میں نماز کی فضیلت:

سرکار عالی وقار ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ مسجدِ نبوی ﷺ میں ایک نماز ادا کرنا دوسری مساجد میں پچاس ہزار نمازیں ادا کرنے سے افضل ہے۔ (بخاری و مسلم)

امیرِ دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس قادری صاحب اپنی عقیدت کا اظہار کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ ''مسجد الحرام میں ایک نماز کا ایک لاکھ نمازوں جیسا یوں سمجھیے جیسے وہاں کے ایک لاکھ ایک ایک روپے کے نوٹ ہوں جب مدینہ پاک کی مسجد مبارک کی نماز کے پچاس ہزار یوں خیال کیجئے جیسے سو سو روپے کے پچاس ہزار نوٹ ہوں۔

نیز مکہ معظمہ میں ایک گناہ ایک لاکھ گناہوں کے برابر ہے جب کہ رحمتِ عالم کی نگری میں رحمتوں کی برسات کا یہ عالم ہے کہ یہاں ایک گناہ شمار میں ایک ہی جیسا ہے اور ایک نیکی پچاس ہزار کے مترادف ہے۔

زیارتِ گنبدِ خضریٰ:

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا. عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مخبر صادق حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۲۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اور فرمایا میری زیارت کرنے والے کے لیے جنت ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اُمت میں سے تین شخصوں کے لیے شفاعت واجب ہے۔

۱۔ میری حیات میں میری طرف ہجرت کرنے والا۔

۲۔ جو میری روپوشی کے بعد میری قبر کی زیارت کرے۔

۳۔ جس کی دو یا تین بیٹیاں ہوں اور ان میں عدل کرے۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: جس نے میری روپوشی کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اُس نے حیات میں زیارت کی۔

پیام جبریل علیہ السلام:

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے پاس مرضِ موت میں حاضر ہوا تو اتفاقاً آپ تنہا تھے۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ اور میں نے آپ کو روتے ہوئے دیکھ کر سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: امت کے لیے روتا ہوں۔ کیوں کہ میری حیات میں وہ گناہ کرتے تھے میں شفاعت کرتا تھا (یعنی مغفرت طلب کرتا تھا) اس قدر فرمانے کے بعد آپ یکا یک بشاش ہوگئے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریلؑ نے مجھے پیام پہنچایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ آپ کی پردہ پوشی کے بعد آپ کی امت میں سے جو شخص آپ کی قبر کی زیارت کرے گا اُسے بخش دوں گا۔ اگر چہ وہ مجھ سے بخشش طلب کرے۔ اور نزع کے وقت اُس پر آسانی کر دوں گا۔ اگر چہ بدکار ہو۔ قبر میں اس پر عذاب نہ کروں گا۔ اس کی حاجتیں پوری کر دوں گا۔

خاکِ مدینہ پاک:

ارشاد فرمایا:

غُبَارُ الْمَدِ یْنَةِ شِفَاء مِنَ الجزَامِ۔ (ترجمہ) مدینہ منورہ کا غبار جزام (کوڑھ) کے لیے شفا ہے۔

مدینہ منورہ کی فضیلت:

حضرت انسؓ پیارے رسول سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کے علاوہ دُنیا کی تمام بستیوں میں دجال ہو گا۔ مدینہ کے تمام راستوں پر فرشتے صف باندھے اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ پھر مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے۔ اس کے بعد مدینہ سے اللہ تعالیٰ ہر کافر اور منافق کو نکال دیں گے۔

تجدید حرمتِ مدینہ:

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ ابراہیمؑ نے مکہ کی حرمت کی تجدید کی تھی اور اہل مکہ کے لیے دُعائیں کی تھیں اور میں اس طرح مدینہ کی حرمت کی تجدید کر رہا ہوں۔ اور ابراہیمؑ نے مکہ والوں کے لیے برکت کی جو دُعا کی ہے؛ میں نے مدینہ کے صاع اور مد میں اس سے دوگنی برکت کی دُعا کی ہے۔ (مسلم شریف)

مواجہ شریف پر حاضری کی رُوداد:

میرا روزانہ کا معمول تھا کہ دن میں کئی مرتبہ ریاض الجنۃ سے ہوتے ہوئے مواجہ شریف کے سامنے حاضر ہوا کرتا۔ لیکن اس مقام پر سکون واطمینان سے درود وسلام پڑھنے کا موقع ایک بار بھی میسر نہ ہو سکا۔

حرام۔ حرام۔ حرام۔۔۔۔ شرک۔ شرک۔ شرک۔؟

جب روضۂ انور پر حاضری کے دوران مواجہ شریف کے سامنے آئے تو سعودی شُرطے حرام حرام اور شرک شرک شرک کی رٹ لگا کر مزہ کرا کرہ کر دیتے۔ اور حضوری میں بے حضوری ہو جاتی۔ مذکورہ سپاہی صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے بل کہ جالی مبارک کی طرف زائرین کو پیٹھ پھیرنے اور قبلہ رُو ہونے کی ترغیب دلاتے۔ یہاں تک کہ کاندھوں تک کو پکڑ لیتے تھے۔ ان کے اس آمرانہ رویہ سے ایسا لگا؛ جیسے روضہ اقدس شرک اور بدعت کا بڑا مرکز ہو اور ہمارے آقا ومولا ﷺ دُنیا کو وحدت اور توحیدِ حق کے بجائے شرک اور بدعت کی طرف اُکسانے کے لیے مبعوث کیے گئے ہوں۔ معاذ اللہ صد معاذ اللہ۔

سوچنے لگا کہ صحابۂ کرام سے بڑھ کر حضور ﷺ کی حقیقت اور آپ کے مقام کو سمجھنے والا اور کون ہوگا؟ چودہ سو سال پہلے کا ایک منظر آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ حضور والا شانِ عالی مقام ﷺ وضو فرما رہے ہیں اور صحابہ کرام کی قطاریں لگی ہوئی ہیں۔ آپ کے وضو کا پانی گرنے سے پہلے اٹھا لیا جاتا ہے۔ اصحاب نبوی ﷺ پانی کے ہر مبارک قطرے کو اپنے سینوں اور چہروں پر مل مل کر برکتیں حاصل کر رہے ہیں۔ جس صحابی کو قطرہ نہیں ملتا تو وہ دوسرے صحابی ساتھی کی تَری لے کر برکتیں لُوٹتا ہے۔

اس طرح حجامت بنوانے کے موقع پر صحابہ کرام موئے مبارک کا تبرک حاصل کرنے میں پہل کرتے۔ اور محفوظ رکھتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ سرکار ﷺ کا موئے مبارک اپنی ٹوپی میں سلوا کر اپنے سر کا تاج بناتے ہیں۔ اور اس تاج کو اپنی فتح مندی کا نشان قرار دیتے ہیں۔ حضرت علامہ اقبال نے فرمایا تھا: ہم مسلمان زندہ نبی ﷺ اور زندہ کتاب (قرآن) کو ماننے والے ہیں؛ اور آج زندہ و جاوید نبی ﷺ کے سامنے اس کی طرف پُشت کیے امتی ہزاروں میلوں کا سفر کر کے حاضری دینے والے زائرین سے کہہ رہے ہیں کہ اس ہستی کی طرف منہ کرنا شرک ہے۔ بدعت ہے۔

تاریخ کے تناظر میں، سوچتا ہوں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ کی ذات مبارک سے عشاق اور غلاموں کو متنفر کرنا مومنین کا کام نہیں۔ تاریخ گواہ ہے یہ کام ماضی میں منافقین گستاخوں کا رہا ہے۔ آقا ومولا ﷺ کے مکی دور میں منافقین کے

سردار ولید بن مغیرہ اور اس کے حواری مکہ معظمہ کے راستوں میں بیٹھ جاتے اور لوگوں کو آپ کی ذات وصفات سے متنفر کرتے۔

اس وقت دل پر کتنی چھریاں چلیں۔ کتنی تلواریں ایک ہی وار میں روح کو گھائل کر گئیں۔ ناقابل بیاں ہے۔ میں دل برداشتہ ہو کر باب بقیع سے نکل کر مسجد مبارک کے محراب کی طرف کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنے لگا لیکن ایسا خوف طاری تھا جیسے کوئی بڑا جرم کر رہا ہوں۔ اور ڈزدیدہ نظروں سے دائیں بائیں مجرم کی طرح دیکھتا تھا کہیں کوئی شرطہ آ کر مجھے رنگے ہاتوں گرفتار نہ کر لے۔

تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ ملک ابوجعفر العباس امام مدینہ حضرت مالک بن انسؓ سے دریافت کرتے ہیں کہ حضورﷺ کے روضۂ مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بعد بوقت دُعا منہ قبلہ کی طرف پھیر لینا چاہیے یا شفیع المذنبین ﷺ کی جانب ہی منہ کیے ہوئے دُعا کی جائے؟ امام صاحب جواباً بادشاہِ وقت سے فرماتے ہیں۔

" ولم تصرف وجهک عنة وهوسليک و وسليته ا بيک آدمَ عليه السلام الى الله عزوجل يوم القيمه...

ترجمہ:۔ اور تم اُن کی طرف سے منہ کیوں کر پھیرتے ہو جب کہ وہ تمھارے اور تمھارے باپ حضرت آدمؑ کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے۔ (تاریخ مدینہ۔ ص۶۰۰) علامہ احمد شہاب الدین خفاجیؒ فرماتے: دُعا کے وقت منہ روضۂ پاک کی طرف ہو۔ آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کریم سے مانگا جائے؛ اور مستحب ہے کہ دُعا کے ساتھ آپ ﷺ کی شفاعت بھی طلب کی جائے۔ رقت وخشیت میں لرزہ براندام ہو کر دُعا کی جائے۔ (نسیم الریاض۔ جلد۳۔ ص۵۱۷)

حضرت خواجہ دلنوازؒ کا واقعہ:۔

عارف کامل سجادہ نشین خامس آستانہ سلیمانیہ تونسہ شریف حضرت دلنواز خان محمد تونسویؒ فرماتے کہ مدینہ منورہ میں ایک روز میں باب جبریلؑ کی طرف پائیں مبارک کی طرف چھوٹی دیوار کے احاطہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک پنجابی آدمی جو پُر درد لہجہ میں بہ زبانِ پنجابی نعتیں پڑھا کرتا اور اکثر میرے پاس بیٹھا کرتا۔ میں اس کی نعتیں سُنا کرتا۔ ایک دن اس کو مواجہ شریف میں دُعا مانگتے دیکھا کہ قبلہ رُخ ہو کے روضۂ انور کو پیٹھ کر کے دُعا مانگ رہا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کے مجھے افسوس ہوا وہاں تو ادب سے اسے کچھ نہ کہہ سکا۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے گیا۔ وہ بھی خوشی سے میرے ساتھ چلا آیا کیوں کہ وقت کا ساتھی تھا۔ میں نے اسے کہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرتﷺ فرماتے ہیں: "**اِنَّمَااَنَا قَاسِم وَاللّٰهُ مُعْطِی**... میں بانٹنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔

آپ بتائیں کہ جو بانٹنے والے کو پیٹھ کرے اُسے کچھ ملے گا۔ بس مسئلہ اُس کی سمجھ میں آ گیا اور زار وزار رُونے لگا اور کہا کہ میری سمجھ نارسا تھی۔ میں ان کی کتابوں سے دھوکہ کھا گیا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا: ایسی کتابیں وہابیہ کی تصنیف

ہوتی ہیں۔اور ان میں لکھا ہوتا ہے کہ سلام سے فارغ ہو کر قبلہ رُخ ہو کر دُعا کیا کریں۔کم فہم لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔جو لکھا دیکھا ویسا عمل میں لایا۔(ملفوظات خواجہ خان محمود تونسویؒ، ص ۳۸)

قارئین! وہ تو خواجۂ دلنوازؒ کا زمانہ تھا۔اب تو مواجہ شریف میں سعودی شُرطے جالی مبارک سے پیٹھ لگائے حرام۔حرام، شرک۔شرک کی رٹ لگائے رہتے ہیں۔اور زائرین کو بازوؤں سے پکڑ کر روضۂ انور کی طرف پیٹھ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

حضورﷺ کے وصال مبارکہ کے بعد دورِ صحابہ کرام سے یہ طریقہ رہا ہے کہ زائرین مواجہ شریف میں قبلہ شریف کی طرف پُشت کر کے دُرود و سلام پڑھا کرتے۔حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے۔کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مواجہ شریف میں دیکھا کہ آپ قبرِ انور کی طرف رُخ کیے ایسی حالت میں کھڑے تھے جیسے نماز میں ہوتے ہیں اور دُرود و سلام بحضور سرورِ کونین پڑھ رہے تھے۔آٹھویں صدی عیسوی میں مشہور اُندلسی سیاح ابنِ بطوطہ مدینہ پاک آئے تو انھوں نے بھی حاضریٔ رسولﷺ کی یہی صورت بیان کی۔

ابن بطوطہ کا مشاہدہ:

اپنے سفرنامۂ حجاز میں ابنِ بطوطہ تحریر فرماتے ہیں روضۂ اقدس کی شکل ایسی نادر واقع ہوئی ہے کہ اس کی مثل ملنا ناممکن ہے۔عمارت انام بدیع کی گول وضع کی ہے۔پتھروں کا جڑاؤ نہایت پاکیزہ اور مصفا و شگفتہ ہے۔جس کا گارہ مُشک اور دیگر خوشبوؤں سے آمیختہ ایسی خوبی سے لگا ہوا ہے کہ باوجود امتدادِ زمانہ کے اب تک اس کی استحکام میں کوئی فرق نہیں آیا۔اس کے صفحۂ قبلہ میں رُوئے مبارک کے مقابل ایک چاندی کی میخ گڑی ہوئی ہے۔یہیں لوگ عرضِ سلام کے لیے رُوئے مبارک کی طرف رُخ کر کے اور پُشت قبلہ ہو کر کھڑے ہوتے ہیں۔سلام پڑھتے ہیں پھر اپنی داہنی جانب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی اُن پر بھی سلام پڑھتے ہیں آپ کا سر مبارک رسولﷺ کے قدم مبارک کے پاس ہے۔پھر حضرت عمر بن خطابؓ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔یعنی ان کو سلام کہتے ہیں آپ کا سر مبارک ابوبکر صدیقؓ کے شانہ ہائے مبارک کے قریب ہے۔روضۂ اقدس کے جوف میں ایک چھوٹا سا سنگِ مرمر کا عرض ہے جس کی جانب قبلہ بہ شکلِ محراب واقع ہے۔کہتے ہیں کہ یہاں حضرت خاتونِ جنت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بنتِ رسول اللہﷺ کا مکان تھا۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کا مزار مبارک بھی تھا۔واللہ اعلم۔(سفرنامہ ابنِ بطوطہ، حصہ اول)

ابنِ جبیر کا ایمان افروز چشم دید واقعہ:

مشہور اُندلسی سیاح ابنِ جبیر نے قرونِ وسطیٰ کی پُرکشش سرگرمیوں کی سرگزشتوں پر مبنی اپنا سفرنامہ ۱۱۸۳ء تا ۱۱۸۵ء کے عرصہ میں ترتیب دیا۔یہ خوش بخت سیاح حجازِ مقدس بھی آئے۔

مدینہ پاک کی ایک حاضری کی جھلک ان کی زبانی نذرِ قارئین کرنا چاہوں گا۔صدیوں پہلے کا روضۂ انور پر

حاضری کا یہ نظارہ آج کے دور کی رُودرد معلوم ہوتی ہے۔ ابنِ جبیر کا یہ شذرہ جہاں ان کے دور میں مسجد نبوی ﷺ کی عکاس کرتا ہے وہاں اُس دور کے علمائے عظام اور عوام الناس کی بارگاہِ رسالت پناہ ﷺ میں حاضری کا بھی ترجمان ہے۔ حضرت ابنِ جبیر کی چھوٹی چھوٹی جزئیات پر بھی اس کی عاشقانہ وعالمانہ نگاہیں دیر تک ٹھہری رہتی ہیں۔ آپ مسجد مبارک اور روضہ انور کے احوال یوں بیان کرتے ہیں۔

''روضۂ مبارک کی چار طرفین قبلہ کی سمت سے ڈھلان میں اس انوکھے طریق سے بنی ہیں کہ نماز کے وقت کسی کا رُخ روضۂ مبارک کی طرف ہوسکنا ناممکن ہے۔ فاضل حکما کا حرفِ آخر، شارحین کا ستون ابوابراہیم تونس روضہ کی زیارت کے وقت ہمارے ساتھ تھا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے روضہ مبارک کی اس انداز میں تعمیر تو کرائی کہ کہیں لوگ روضہ انور کو نماز کی جگہ نہ بنالیں۔ اور اس کی پرستش نہ شروع کر دیں۔''

روضہ مقدسہ کا اندرونی منظر:

جنوبی اور مغربی گوشوں کے درمیان ایک پردہ لٹکتا ہے۔ روایت کے بموجب یہ وہ جگہ ہے؛ جہاں حضرت جبرائیلؑ اترتے تھے۔ رسول پاک ﷺ کے پاؤں مبارک کی طرف ابوبکر صدیقؓ (سچے وفادار) کا سر مبارک ہے۔ اور عمر فاروق (جھوٹ سے سچ کو الگ کرنے والے)ؓ کا کندھا ابوبکر صدیقؓ کے کندھے کے قریب ہے۔ اس مبارک دیوار پر بیس نقرئی لیمپ لٹکتے ہیں۔ جن میں دو سونے کے ہیں۔ روضۂ مبارک ایک مرمری نشیب ہے۔ جس کے جنوبی کونے پر ایک قسم کی محراب ہے۔ روایت کے مطابق یہ رسول ﷺ کی ذی شان بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا بتولؓ کا گھر ہے۔ اور یہیں ان کی لحد مبارک بھی ہے۔ حضرت امام ابن جبیرؒ اپنی حاضری کا رُوح پرور منظر ان الفاظ میں بیاں کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''پھر اعلان ہوا کہ شافعیوں کا امیر صدرالدین اصفہانی کہ پُشت ہا پُشت سے عزت وتکریم اس کی خاندانی میراث تھی؛ آپہنچا۔ وہ اُس رات یعنی سات محرم کی رات کو ایک موعظت وپند کی مجلس کی صدارت کی خاطر آیا تھا۔ ایک تخت جو روضۂ مبارک کے پاس افسر العلماء (فقیہہ اعظم) کے لیے تیار کیا گیا تھا اس پر جاچڑھا۔ (رونق افروز ہوا)۔ قرآن خواں اُس کے سامنے اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے؛ اور شیریں ترنم اور آواز کے پُر تاثیر اُتار چڑھاؤ کے ساتھ قرأت کرنے لگے۔

امیر شافعیؒ کا رقت آمیز خطبہ:

اُس (امیر شافعیؒ) نے ایک خطبہ شروع کیا جو اُس نے خود موزوں کیا تھا اور جس کی فصاحت وبلاغت بڑی مسحور کُن تھی۔ اس اثنا میں وہ مزار پاک رسول عربی ﷺ کو دیکھتا تھا اور زاروقطار روتا تھا۔ اپنے خطبہ میں وہ پند ونصائح کی راہوں پر چلا۔ اس نے عربی اور ایرانی زبانوں میں خطاب کیا۔ پھر اپنے موزوں کیے ہوئے چند ایک پسندیدہ اشعار پڑھے جن میں ایک شعر یہ تھا۔

یہ اس کا روضہ ہے نسیمِ رخشاں
صلو علیہ وسلمو تسلیما

پھر اس نے عالی قدر مقام میں اپنی خطاؤں کے لیے گڑگڑا کر معافی مانگی اور فرمایا: ''آہ۔ایک بدگو اجنبی کی عجیب ہمت۔! اُس کی یہ مجال کہ عربوں میں سے سب سے فصیح عرب کے رُوبرو زبان کھولے''۔اور اس نے خوش ادائی سے روضہ مبارک کی طرف اشارہ کیا۔

حاضرین کی رقت آمیز کیفیت:

امیر شافعیؒ نے اپنی موعظمت جاری رکھی یہاں تک کہ حاضرین انفعال اور رقت سے بے قابو ہو گئے۔ایا نھوں نے اپنی توبہ کا وعدہ کرتے ہوئے خود کو اس کے اوپر ڈال دیا۔ دِل وجد میں از خود رفتہ، دماغ چھلنی۔انھوں نے (والہانہ کیفیت میں ڈوب کر) اپنی پیشانی کے بال اس کی نذر کیے؛ اور ایک مقراض منگوا کر اس نے ایک ایک کر کے ہر پیشانی سے ایک لٹ کاٹی۔ شیخ شافعیؒ اپنا عمامہ اُتار ہر اُس شخص کے سر پر رکھ دیتا جس کی لٹ کٹ چکی تھی۔ وہ (حاضرینِ محفل) اُس فیاض کو جانتے ہوئے اپنے اپنے عمامے پیش کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے؛ تا کہ اس طرح وہ اپنے دامن اس کی برکتوں سے بھر لیں۔اُس نے اپنے سر پر سے ایک عمامے کے بعد دوسرے عمامے اُتارنے کا عمل جاری رکھا۔حتیٰ کہ وہ بہت سے عمامے اُتار چکا۔اور لا تعداد لپٹیں اُس نے کُتر لیں۔پھر اُس نے مجلس ختم کرتے ہوئے کہا!

امیر شافعیؒ کی عرض داشت:

''میرے اچھے دوستو! جو یہاں حاضر ہو۔میں بڑے اور عظیم خدا کے حرم (کعبہ شریف) میں تم سے خطاب کر چکا ہوں۔ اور آج اس کے پاک رسول ﷺ کے حرم میں تم سے مخاطب ہوں۔ایک خطیب کو اکثر گداگری کرنی پڑتی ہے۔اور میں تم سے ایک چیز کی بھیک مانگتا ہوں کہ مجھے اس کی ضرورت ہے؛ اور اگر وہ چیز تم مجھے دے دو تو میں اس کا ذکر کرنے میں نہیں شرماؤں گا۔سب نے اس کی مدد کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔اور ان کی سسکیاں بند ہو گئیں۔میری ضرورت اس نے کہا، یہ ہے کہ تم سر اوپر اُٹھاؤ۔اور اپنے ہاتھ پھیلاؤ۔اور اس پاک رسول مقبول کریم ﷺ سے التجا کرو۔کہ مجھ گنہ گار کو اپنے دامنِ شفقت میں رکھے؛ اور میرے لیے حشر کے روز ربِّ مطلق کے سامنے شفاعت کرے۔اور پھر وہ اپنے گناہوں کو ایک ایک کر کے گننے اور اقرار کرنے لگا۔لوگوں نے اپنے اپنے عمامے اتار پھینکے اور سرورِ کونین ﷺ کے روضہ مبارک کی سمت ہاتھ پھیلا کر روتے اور گڑگڑاتے اس میر شافعیؒ کے لیے دُعا مانگنے لگے۔''میں نے اس رات سے زیادہ آنسوؤں اور استغفار کی کوئی رات نہیں دیکھی۔(ابنِ جبیر کا سفر)

☆☆☆☆

کتاب	:	شہزادیٔ کونین: احوال وآثار، مناقب
تصنیف	:	افتخار احمد حافظ قادری
ناشر	:	افتخار احمد حافظ قادری
سال اشاعت	:	۲۰۱۹ء
مبصر	:	یاسر اقبال

اچھی کتاب ایک شخصیت کی مانند ہوتی ہے ایک ایسی شخصیت جس کے اندر ایک ہی وقت میں کئی صفات جمع ہو جاتی ہیں۔ ایسی شخصیت دوسروں کے لیے ایک مشعلِ راہ کا کردار ادا کرتی ہے۔ کتاب کی دنیا میں آئے روز طرح طرح کے موضوعات پر مبنی کتابوں کا اضافہ ہو رہا ہے، مگر کتابوں کتابوں میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کتابیں صرف ورق گردانی کی مشق تک ہی محدود رہتی ہیں جب کہ بعض کا مقام و مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انھیں شروع سے لے کر آخر تک حرف بہ حرف پڑھنا پڑتا ہے اور یہی اس کتاب کا اپنے قاری سے بنیادی مطالبہ ہوتا ہے۔ اچھی کتابیں خود بخود اپنے لیے قارئین کی ایک جماعت تیار کر لیتی ہیں۔ ۲۰۱۸ء میں کتابوں کی دنیا میں ایک ایسی کتاب منصۂ شہود پہ آئی ہے جو ہر لحاظ سے قابلِ ستائش ہے۔ کتاب کا عنوان شہزادیٔ کونین: احوال، آثار، مناقب کے نام سے ہے۔ مذکورہ کتاب میں پیارے نبی ﷺ کی پیاری صاحبزادی سیدۃ کائنات، خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت مبارکہ کے احوال وآثار اور حیاتِ طیبہ کے فضائل کو محبت وعقیدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ تصنیف بارگاہ زہراء سلام اللہ علیہا میں ایک ایسا گلدستۂ عقیدت ہے جس کا ایک ایک حرف روحانی کیف میں ڈوبا ہوا ہے۔ اُردو میں اگر ایسی ۱۰۰ عمدہ کتابیں چھانٹیں جائیں تو شہزادیٔ کونین کو ان کتابوں میں ضرور شامل کرنا پڑے گا۔ کتاب کے اوراق حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے خوبصورت القابات، اور فضائل پر مشتمل احادیث سے مزین ہیں۔ کتاب کے ابتدائی صفحات پر اہلِ بیتِ اطہار کے مزارات کی تصاویر اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مقام پیدائش کا تصویری عکس بڑی خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا ہے۔ ان تصاویر کی زیارت کرنے سے بھی قاری جذبۂ محبت وعقیدت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ سیدۃ کائنات کے حوالے سے تاریخی واقعات کو تحقیق کی سند کے ساتھ درج کیا گیا ہے اور واقعات کے حوالے مستند کتابوں کی روشنی میں دیئے گئے ہیں۔ بلاشبہ اس کام میں راقم کی محنت و ریاضت کے ساتھ ساتھ علمی ذوق وشوق بھی کارفرما ہے۔

احادیث کے حوالے سے اس کتاب کو دیکھا جائے تو دو طرح کی احادیث اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں ایک

وہ احادیث جن کا موضوع فضائل بتولؓ سے ہے دوسری وہ احادیث جو سیدۃ کائنات سے مروی ہیں۔آپﷺ کو اپنی پیاری بیٹی سے حد درجہ محبت تھی کہ آپﷺ کھڑے ہو کر اپنی بیٹی کا استقبال فرمایا کرتے تھے۔آپﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''فاطمہ اُمِّ اَبِیھَا یعنی فاطمہ اپنے باپ کی والدہ ہیں۔کیوں کہ آپﷺ اپنی بیٹی کا احترام اس طرح کرتے تھے جس طرح ماں کا احترام کیا جاتا ہے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔آپ سلام اللہ علیہا کے شان میں نازل ہونے والی آیات کا ذکر بھی اس کتاب میں کیا گیا ہے۔کتاب میں ایک طرف جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حیاتِ مبارکہ کو بحیثیتِ زوجہ، بیٹی، ماں، بہن جیسے رشتوں کی روشنی میں دیکھایا گیا ہے تو دوسری طرف باپ اور بیٹی کا آپس میں کیسا رشتہ ہونا چاہیے،ایک باپ کو اپنی بیٹی کی کیسے تربیت کرنی چاہیے اور ایک باپ کے دل میں اپنی بیٹی کے لیے کیا جذبات ہوتے ہیں ان تمام پہلوؤں کو قاری پر منکشف کرنے کے لیے حیاتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔مثال کے طور پر رُخصتی کے موقع پر جناب رسولﷺ کی جو کیفیت مبارک تھی اس ضمن میں راقم لکھتے ہیں:

''اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے آپﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہﷺ جناب سیدۂ فاطمہؓ کی رخصتی کا سامان تو تیار ہو چکا ہے مگر ایک خیال مجھے تڑپا رہا ہے کہ اگر آج سیدۂ خدیجہ الکبریٰؓ اس بابرکت تقریب میں شامل ہوتیں تو انھیں کس قدر خوشی حاصل ہوتی۔سیدۂ خدیجہؓ کا ذکر سننا تھا کہ آپﷺ کی چشمانِ مبارک سے آنسو ٹپکنا شروع ہو گئے۔ آپﷺ نے ایک آہ سرد لی اور فرمایا کاش! خدیجہؓ اس وقت ہوتیں کیوں کہ انھیں دُنیا سے جاتے وقت یہی ارمان تھا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی نہ دیکھ سکوں گی اور ہمیں یہ فریضہ سونپ کر داخل فردوس ہوگئیں۔ایک طرف گھر میں رخصتی کی تیاریاں تو دوسری طرف شہزادیٔ کائنات کی آنکھوں میں اشکوں کے سیلاب پوری قوت کے ساتھ جاری ہیں، ماں کی شفقت بھری یادیں آرہی تھیں اگر چہ دیگر امہات المومنین ہر کام میں پوری پوری دلچسپی لے رہی تھیں مگر ماں کی کمی کو تو کوئی دوسرا پورا نہیں کرسکتا۔الوداعی کا وقت! سرکارِ مدینہﷺ اپنی جگر گوشہ کو الوداع کہہ رہے ہیں اور آپﷺ کی آنکھوں میں اشکوں کا سیلاب آیا ہوا ہے اس موقع پر آپﷺ نے فرمایا:

''بیٹی فاطمہ! الوداع اللہ تعالیٰ تمھیں خوش رکھے''۔ (شہزادیٔ کونین:ص۔۵۴)

اسی طرح جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حیات مبارکہ کے کئی درخشاں باب اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں جو قارئین کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔کتاب ہٰذا کے آخری باب پنجم میں مناقبِ بتولؓ کے ضمن میں عربی، فارسی اور اردو شعرا کا کلام بمع اردو ترجمہ بطورِ نمونہ دیا گیا ہے۔مثال کے طور پر چند اشعار نمونۂ کلام کے طور پر ملاحظہ فرمائیں۔

عربی نمونۂ کلام:

سیدۂ کائنات کی ولادت وباسعادت کے دن کے حوالے سے:

یا یوم مولد فاطم الزهراء

یا صبح شمس الالفیك غنائی

فیك السناعم القلوب مذکرا

یوم السرور الصفوة البشراء

منقبت بہ عنوان: اُن الکوثر ھوُ السیدۃ الزھراء:

اناعطیناك الکوثر

ھذا قول المولی الاکبر

نھر فی الجنته لاینکر

ھو فاطمته قول یوثر

منقبت بہ عنوان: اھل الکساء

ان زھا الفضل و زان الشرفاء

انما مجمعته اھل الکساء

من بقر آن عظیم ذکر ھم

وحدیث من بشیر الامناء

منقبت بہ عنوان: سیدتنا الزھراء

مایقول و ینظم الشعراء

کل المحاسن انت یازھراء

ماالقول الاقربته من شاعر

لتعمه من فیضك الا ضواء

منقبت بہ عنوان: نشید فی مدح الزھراء

فی حمی الزھراء نحن

من علی الاحباب تحنوا

فاطم "قلب" سلیم

فاطم "نور" عظیم

فاطم "أم ابیھا"

صار قلبی من سببھا

فاطم جنتہ ماوی

ھی من ھی سلوی

فارسی کلام:

منقبت از علامہ اقبال

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمین
آن امام اولین و آخرین

منقبت از: بہار حسین عظیم آبادی، پٹنہ (ہند)

من چہ گویم وصفِ آن خیرالنساء
ذرہ کے داند صفات ماہ را
این قدر دانم کہ آن عفت مآب
فرد بُودی گر نہ بُودی بُو تراب

منقبت از علامہ صائم چشتی:

فاطمہ بنتِ محمد مصطفےٰ ﷺ
فاطمہ روحِ رسول ﷺ دوسرا
فاطمہ شانِ رسول ﷺ ھاشمی
فاطمہ جانِ رسول ﷺ ھاشمی

اردو نمونۂ کلام۔

منقبت از: صاحبزادہ پیر فیض الامین فاروقی سیالوی

ظلِ لطفِ کبریا شہزادیٔ کونین ہیں
لختِ جانِ مصطفےٰ ﷺ شہزادیٔ کونین ہیں
اُن کی سیرت پر ہے نازاں زہد و تقویٰ کی جبیں
عظمت صدق و صفا شہزادی کونین ہیں

منقبت از: پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی

پڑا ہوں در پہ تیرے مثل کاہ یا زہراء
ملے فقیر کو خیرات چاہ یا زہراء
ہیں مرتضیٰ تیرے شوہر، تو مصطفیٰ ﷺ بابا
زہے یہ اوج و شرف، عز و جاہ یا زہراء

منقبت از: ادیب رائے پوری

دخترِ ختم الرسل ﷺ جانِ پیمبر فاطمہ
اے وقار بوترابی، شان حیدر فاطمہ
لٹ رہا تھا کربلا میں آپ کا گھر فاطمہ
آپ نے دیکھا ہے محشر، قبلِ محشر فاطمہ

منقبت از: عثمان غنی سیالوی

رب نے کہا اے میرے دلبر انا اعطینک الکوثر
تیری وارث تیری دُختر انا اعطینک الکوثر
دنیا میں جو آئی بتول ہوئی پھر آباد آلِ رسول
اَبتر کہے جو وہ خود ابتر انا اعطینک الکوثر

منقبت از: بشیر نقشبندی علی پوری

بڑھے گی تا ابد شانِ علی ہر آن زہرا کی
کہ ہے مدحت سرائی کر رہا قرآن زہرا کی
کھڑے ہو کر تھے استقبال کرتے مصطفیٰ ﷺ اُن کا
خدا ہی جانتا ہے کس قدر ہے شان زہرا کی

منقبت از: مظفر وارثی

بوئے بہشت زوجِ علی دخترِ رسول ﷺ
اُم ابیھا، زہرا و منصورہ و بتول
کلثوم و سارہ، آسیہ، مریم کے غول میں
مانندِ ماہتاب ہوا خاک پر نزول

منقبت از: ریحانہ شفاعت ناز

شانِ جنت آپ ہیں، آلِ رسول ﷺ آپ ہیں
خاتونِ جنت آپ ہیں، جانِ رسول ﷺ آپ ہیں

منقبت از: طاہر سلطانی

لکھا جو زہراء لفظوں کو تاثیر مل گئی
فکر و نظر کو علم کی تنویر مل گئی
بنتِ رسول پاک ﷺ کے قربان جایئے
جس کو خدا سے چادرِ تطہیر مل گئی

منقبت از: پروفیسر محمد الیاس برنی

فاطمہ زہراء ہے خاتونِ جنت
ہے جنت کی مختار خاتونِ جنت
فاطمہ زہراء ہے، بیٹی نبی ﷺ کی
نبی ﷺ کی دل و جان خاتونِ جنت

☆☆☆☆

کتاب : وادیٔ چھتر کرلوٹ

تصنیف : شاکر اعوان

ناشر : بزمِ تخلیق و تحقیق، بہارہ کہو

سالِ اشاعت : ۲۰۱۶ء

مبصر : قمر زمان نصیف

انسان نے جب غاروں سے نکل کر تمدنی زندگی کا آغاز کیا اور زندگی کی تہذیب ہونے لگی تو رفتہ، رفتہ ملکیت کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا۔ اپنے علاقے اپنی زمین اور بعدازاں اپنی ثقافت سے محبت کا جذبہ پیدا ہونا اور پھر اس کی بقا کے لیے کوششیں شروع ہوئیں تاکہ آئندہ نسلوں تک اسلاف کے کارنامے پہنچ سکیں اور وہ ان سے راہنمائی حاصل کر سکیں۔ لیکن یہ کام سچی لگن، سچے جذبے اور محبت و عقیدت کا محتاج رہا ہے کیوں کہ ان کے بغیر یہ کام ممکن نہیں ہوتا۔ شاکر اعوان کی تصنیف ''وادی چھتر کرلوٹ'' بھی اس محبت وعقیدت کا اظہاریہ ہے جس میں اپنی زمین سے محبت اور اپنے اسلاف سے بے پناہ عقیدت کا جذبہ کارفرما ہے۔

شاکر اعوان ایک ہمہ جہت شخصیت کے حامل ہیں۔ وہ پاکستان ایئر فورس میں ۱۸ سال تک خدمات سرانجام دینے کے بعد سبکدوش ہوئے تو اپنے لیے محکمہ تعلیم کا انتخاب کیا۔ کئی برس سے بطورِ معلم، طلبہ کے ذہنوں کی آبیاری میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ فنِ اداکاری ان کا ایک شوق تھا جس کی تکمیل کے لیے انھوں نے پی ٹی وی کا رُخ کیا۔ کئی ڈراموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے اور تا حال اپنے شوق کی تکمیل کر رہے ہیں۔

اپنے علاقے کی تعمیر و ترقی کے جذبے نے انھیں عملی سیاست میں میں حصہ لینے پر مجبور کیا تو انھوں نے حالیہ بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور یوں اپنے علاقے کے عوام کا اعتماد حاصل کرتے ہوئے علاقے میں کونسلر منتخب ہو گئے۔ شاکر اعوان نے یہیں پر دم نہیں لیا بلکہ اپنے ایک اور شوق کی تکمیل کے لیے محنت شروع کر دی اور وہ تھا اپنے علاقے کے حوالے سے ایک عمدہ کتاب کی تالیف...... لہٰذا اپنی تصنیف ''وادی چھتر کرلوٹ'' کو سامنے لا کر انھوں نے اپنے اُس دیرینہ خواب کی تعبیر حاصل کی جس کا تذکرہ انھوں نے اپنی کتاب کے شروع میں کیا ہے۔

اس کتاب میں شاکر اعوان نے اپنے علاقے کی تاریخ، وہاں کی تہذیب و ثقافت، سیاست، جغرافیائی حالات،

تعلیمی ادارے، اہم شخصیات، بزرگانِ دین اوران کے فیوض وبرکات کا ہی تذکرہ نہیں کیا، بلکہ اپنے علاقے کے ان دیرینہ مسائل کا بھی بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے جن سے ان کا علاقہ دو چار ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے بھی یہ بڑی متنوع تصنیف ہے۔ چند چیدہ، چیدہ عنوانات یہ ہیں:

وادیٔ پوٹھوہار، پوٹھوہار کے تین شہر، پوٹھوہاری زبان وادب، ذرائع آمدورفت، اولیائے کرام اور مزارات، اقوام وقبائل، تہذیب ومعاشرت، اوہام پرستی، خواتین کی معاشرتی زندگی اور مسائل، تعلیمی صورت حال اور تعلیمی ادارے اور وادی چھتر کرلوٹ کے اہم مسائل۔ شاکر اعوان نے بڑی عرق ریزی سے ان تمام موضوعات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ موقع کی مناسبت سے انھوں نے تاریخی کتب کے حوالہ جات سے اپنے کام کو مزید وقیع بنا دیا ہے۔ کتاب میں شامل چند مضامین ایسے ہیں جو اس سے پہلے ہی ملک کے اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں مثلاً ''حافظ مظہر الدین، توہم پرستی، خواتین کی معاشرتی زندگی اور مسائل' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

محلِ وقوع اور جغرافیائی حدود کے اعتبار سے پوٹھوہار کا خطہ بلاشبہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں ایک طرف ملک کا دارلحکومت، دوسری طرف ملک کی برّی فوج کا ہیڈ کواٹر (جی ایچ کیو) اور سیاحت کے حوالے سے بھی یہ اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔ اس حوالے سے کئی تصانیف اس سے پہلے بھی مرتب ہو چکی ہیں۔

وادیٔ چھتر کرلوٹ ایک اہم شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے بھی بڑی معروف ہے۔ اور شاکر اعوان اس کے احوال لکھ کر اس کی اہمیت میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ لیکن یہ کام اتنا آسان بھی نہیں۔ اس کے لیے صبح شام انتھک محنت درکار ہوتی ہے جس کا اظہار جناب شوکت محمود شوکت نے بھی اپنے مضمون میں کیا ہے جو کتاب میں شامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کسی قوم یا علاقے کی تاریخ لکھنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ کیوں کہ تاریخ لکھنے کے لیے سائنس کی طرح تجربہ گاہیں وغیرہ دستیاب نہیں ہوتیں کہ جہاں کوئی مورخ بیٹھ کر نتائج اخذ کر سکے''۔

میرے خیال سے یہ کام خونِ دل کشید کرنے کے مترادف ہے کہ بقول حکیم الامت:

نقش ہیں نا تمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

کیوں کہ خونِ دل کی کشید کے بغیر نقش ابھر کر سامنے نہیں آتے اور شاکر اعوان نے اپنی محنت سے

علاقے، علاقے کے نقوش کو واضح کر دیا ہے اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں رہنے دی۔ بالخصوص شاکر اعوان نے علاقے کے جن مسائل کا تذکرہ کیا ہے ان کے بارے میں جان کر حیرت ہوتی ہے کہ اکیسویں صدی میں بھی ہمارا ملک بجلی، گیس، پینے کے صاف پانی، صحت وصفائی، ذرائع آمدورفت اور تعلیم جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہے۔ اور وہ بھی ایسا علاقہ جو ملک کے دارلحکومت سے فقط چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ انھوں نے ایک طرف تو ان مسائل کو اجاگر کر کے اپنے علاقے کی بھرپور نمائندگی کی ہے اور دوسری طرف مملکتِ خداداد پاکستان کے حکمرانوں کی ذہنی سطح اور ان کی ترجیحات کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ کیوں کہ یہ مسائل فقط انھی کے علاقے کے نہیں ہیں بلکہ یہ ہمارے ملک کے اجتماعی مسائل ہیں۔ ہر حکمران نے صرف بڑے شہروں اور پوش علاقوں کو ہی مزید ترقی دی ہے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کے چھوٹے شہروں اور دیہی علاقوں کو ترقی دی جائے اور وہاں بنیادی انسانی ضروریات مہیا کی جائیں تا کہ ان علاقوں سے بڑے شہروں کی جانب آبادی کے انخلاء کو روکا جا سکے اور بڑے شہر آبادی کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل سے بچ سکیں۔

جن مسائل کی نشاندہی شاکر اعوان نے اپنی کتاب میں کی ہے، ان کے حوالے سے کتاب کی تعارفی تقریب کے موقع پر معروف شاعرہ اور کالم نگار عائشہ مسعود ملک نے بھی بات کی اور اپنے اخباری کالم میں ان کی حمایت کی۔ شاکر اعوان کی تصنیف ''وادئ چھتر کرلوٹ'' ہر حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے ذریعے ایک عام آدمی بھی اس علاقے سے مکمل آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔ آئندہ نوجوان نسل کو بھی حوصلہ اور رہنمائی ملے گی اور وہ اپنے علاقے کی تعمیر وترقی کے حوالے سے سوچ سکیں گے۔

شاکر اعوان نے کتاب کے آخر میں احباب کی اور بزرگوں کی تصاویر سے کتاب کو رنگین بنانے کی کوشش بھی کی ہے۔ کتاب کا انتساب اپنے ''دادا نادر خان اعوان'' کے نام کیا ہے جس سے اپنے اسلاف کے ساتھ ان کی عقیدت اور لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے۔ کتاب کے آخر میں انھوں نے کتابیات مہیا کر کے اپنے کام کو تحقیقی اعتبار سے مستند بنا دیا ہے تا کہ کوئی بھی شخص اس سے استفادہ کر سکے۔ کتاب میں بالکل سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے۔ ایسی کتاب کے لیے یہی زبان زیادہ مؤثر ہوتی ہے کہ جس میں مصنف کے مخاطب عام قارئین بھی ہیں۔ اس اہم کام کے لیے شاکر اعوان بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

☆☆☆☆

کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی (فتوحات)

[گوشۂ افتخار حافظ]

وجاہت علی احمد ساجد نظامی

1۔ ابوعبداللہ محمد بن سلیمان جزولیؒ، امام

ا۔ دلائل الخیرات

مترجم: مفتی محمد اطہر نعیمی اشرفی | مجلسِ دلائل الخیرات شریف، کراچی | جنوری ۲۰۱۷ء

2۔ ابی القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر

ا۔ فضل اُم المومنین عائشہؓ

دراسۃ وتحقیق: الحسن بن محمد الھادی | شرکۃ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت | ۲۰۰۵ء

3۔ ابی بکر عبداللہ بن سلیمان بن الاشعث السجستانی

ا۔ مُسند عائشہؓ

درسۃ وتحقیق: الشیخ عبدالغفور عبدالحق حسین | مکتبۃ دار الاقصیٰ، الکویت | ۱۹۸۵ء

4۔ اشرف ظفر، سیدہ، ڈاکٹر

ا۔ تذکرۃ سید میر علی ہمدانی

معاورادِ فتحیہ | مشتاق بک کارنر، لاہور | ۲۰۱۲ء

5۔ افتخار احمد حافظ قادری

ا۔ ارشاداتِ مرشد | افتخار احمد حافظ قادری، راولپنڈی | جنوری۔۲۰۰۱ء

۲۔ التفکر والاعتبار فی فضل الصلاۃ

والسلام علی سیدنا ومولانا محمدﷺ | ---- | نومبر۔۲۰۱۰ء

☆	التفكر والاعتبار فی فضل الصلاۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد ﷺ	----	۲۰۱۵ء
۳۔	الصلوات الالفیۃ باسماء خیر البریہ	----	جنوری۔۲۰۱۷
۴۔	الفیۃ الصلوات علی فخر الموجودات	----	اپریل۔۲۰۱۸ء
۵۔	بلدہ الاولیاء	----	جون۔۲۰۰۲ء
۶۔	حیات انور	----	ستمبر۔۲۰۱۸
۷۔	خزانۂ درود وسلام ﷺ	----	جنوری۔۲۰۰۱ء
۸۔	دیارِ حبیب ﷺ	----	جون۔۲۰۰۱ء
۹۔	زیارات از بکستان	----	جنوری۲۰۱۷ء
۱۰۔	زیاراتِ اولیائے کشمیر	----	جولائی۔۲۰۰۹ء
۱۱۔	زیاراتِ ایران	----	جنوری۔۲۰۱۲ء
۱۲۔	زیاراتِ ترکی	----	جون۔۲۰۰۸ء
۱۳۔	زیارت حبیب ﷺ	----	دسمبر۔۲۰۰۰ء
۱۴۔	زیاراتِ شام	----	جنوری۔۲۰۰۳ء
☆	زیاراتِ شام	----	جون۔۲۰۱۷ء
۱۵۔	زیارات عراق واُردن	----	جولائی۔۲۰۱۳ء
۱۶۔	زیاراتِ مدینہ منورہ	----	مئی۔۲۰۰۸ء
۱۷۔	زیاراتِ مراکش	----	مارچ۔۲۰۰۸ء
۱۸۔	زیاراتِ مصر	----	مئی۔۲۰۰۸ء
۱۹۔	زیاراتِ مقدسہ	----	۱۹۹۹ء
۲۰۔	زیاراتِ مقدسہ	----	اگست۔۲۰۰۰ء
۲۱۔	سرزمین انبیاء واولیاء	----	اپریل۔۲۰۰۲ء
۲۲۔	سرکارِ غوث اعظمؒ	----	اگست۔۲۰۰۲
۲۳۔	سیدنا ابوطالبؓ	----	مارچ۔۲۰۱۸ء
۲۴۔	سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ	----	نومبر۔۲۰۱۶ء

۲۵۔	سید یعقوب علی شاہؒ	----	اگست۔۲۰۱۹ء
۲۶۔	شانِ بتولؓ بزبان رسول ﷺ	----	۲۰۱۵ء
۲۷۔	شان خلفائے راشدینؓ بزبان سید المرسلین ﷺ	----	مئی۔۲۰۱۶ء
۲۸۔	شانِ علیؓ بزبانِ نبی ﷺ	----	اپریل۔۲۰۱۶ء
۲۹۔	شاہ حبشہ حضرت اصحمۃ النجاشیؓ	----	فروری۔۲۰۱۷ء
۳۰۔	شہزادیٔ کونین علیہا السلام	----	نومبر۔۲۰۱۸ء
۳۱۔	صلاۃ وسلام برائے زیارات خیر الانام	----	مارچ۔۲۰۱۷ء
۳۲۔	عظائم الصلوات والتسلیمات	----	اپریل۔۲۰۱۶ء
☆	عظائم الصلوات والتسلیمات	----	مئی۔۲۰۱۶ء
۳۳۔	فضیلتِ اہلِ بیتِ نبوی ﷺ	----	اگست۔۲۰۰۵ء
۳۴۔	قصائدِ غوثیہ	----	جنوری۔۲۰۰۲ء
۳۵۔	گلدستہ قصائد مبارکہ فی مدح الحبیب	----	جولائی۔۲۰۰۱ء
۳۶۔	مناقبِ والدین مصطفیٰ کریم ﷺ	----	مئی۔۲۰۱۸ء
۳۷۔	مومنین کی مائیں	----	فروری۔۲۰۱۹ء
۳۸۔	حدیۂ درود وسلام	----	جون۔۲۰۱۳ء

6۔ انوار المصطفیٰ ہمدمی

ا۔	تاجدارِ بھنگالی شریف	چشتی کتب خانہ	۲۰۱۸ء

7۔ بدیع الزماں فروزانفر

ا۔	زندگی مولانا جلال الدین محمد	انتشارات زوار، تہران	۱۳۸۶

8۔ بلال رشید

ا۔ مرج البحرین (نعتیں، مناقب، سلام) اظہار سنز، لاہور ۲۰۱۷ء

9۔ تنویر المصطفیٰ قادری اویسی، مخدوم (مترجم)

ا۔ ینابیع المودۃ لذوی القربیٰ

از: شیخ سلیمان بن ابراہیم مصطفائی پبلی کیشنز، گجرات اپریل۔۲۰۱۵ء

10۔ جابر عناصری، ڈاکٹر

ا۔ سلطان علی بن موسیٰ الرضا انتشارات آستان قدس رضوی، مشہد ۱۳۹۳

11۔ جاوید احمد سروری قادری، ڈاکٹر

جلوہ گاہ (Sufi Light)

مترجم: شیر افگن ملک سروری قادری مکتبہ جدید ۲۰۱۷ء

12۔ جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجی، سید

ا۔ سید الشہدا

مترجم: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ادارۂ مسعودیہ، کراچی ۱۹۹۶ء

13۔ جلال الدین احمد امجدی، مولانا

ا۔ سیرت سیدنا امیر معاویہؓ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور ۲۰۱۴ء

14۔ جلال الدین سیوطیؒ، امام الحافظ

ا۔ فضائل اہل بیت علیہم السلام

مترجم: مولانا مفتی ابوبکر منادی پبلی کیشنز، اسلام آباد س۔ن

۲۔	مسند ام المومنین عائشہؓ من جوامع الکبیر فی الحدیث	دار السلفیۃ، ممبئی	۱۹۸۱ء

15۔ حسن بصری

ا۔	فضائل مکہ والسکن فیھا تحقیق: ڈاکٹر سامی مکی العانی	مکتبۃ الفلاح، کویت	س۔ن

16۔ حمزہ بن حامد بن بشیر القرعانی

ا۔	فضائل ام المومنین عائشہؓ	دار السندس، مدینہ منورہ	۱۴۲۸ھ

17۔ خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا

ا۔	داعش یا خوارج	مجلس تحقیقات اسلامی، نوشہرہ	س۔ن

18۔ دوست محمد قادری چشتی، فقیر

ا۔	دجال آنے والا ہے! (حالات حاضرہ کی روشنی میں)	تحریک تاجدار ختم نبوت، چانومنڈی (مانسہرہ)	س۔ن
۲۔	کنز النبی رحمت میلاد النبی ﷺ	جامعہ اسلامیہ عربیہ مدینۃ العلوم، چانومنڈی (مانسہرہ)	س۔ن
۳۔	گستاخان رسول عربی اور مرزا غلام احمد قادیانی علیہ لعنۃ	جامعہ اسلامیہ عربیہ مدینۃ العلوم، چانومنڈی (مانسہرہ)	س۔ن
۴۔	مرزا غلام کذاب قادیانی	تحریک تاجدار ختم نبوت، چانومنڈی (مانسہرہ)	جنوری ۲۰۱۸ء

19۔ دین محمد، شیخ

ا۔	شجرہ نسب چشتیہ خاندان	تحقیقات، لاہور	۱۴۳۸ھ
۲۔	ظہور النبی ﷺ	تحقیقات، لاہور	۲۰۰۸ء

20۔ رضا محمدی

ا۔ شیخ ابوالحسن خرقانی ۱۳۹۵

21۔ سائد بکداش

ا۔ فضل الحجر الاسود و مقام ابراہیم علیہ السلام | دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت۔ لبنان | ۱۴۲۶ھ

۲۔ فضل ماء زمزم | دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت۔ لبنان | ۱۴۲۱ھ

22۔ سرودۂ مریم پارساخو

ا۔ در آستان عصمت | انتشارات زائر آستانہ مقدسہ، قم | ۱۳۸۹

23۔ سیف بن محمد بن یعقوب الہروی

ا۔ تاریخ نامۂ ہرات

مترجم: پروفیسر سلطان الطاف علی | کوئٹہ | ۱۹۸۵ء

24۔ شاہ دل اعوان

ا۔ مشاہیر سون [ج۔ا] | ادارہ افکار الاعوان، پاکستان | مارچ۔۲۰۱۵ء

25۔ شریف احمد شرافت نوشاہی، سید

ا۔ اعجاز التواریخ

ترتیب و تدوین: عارف نوشاہی | دائرالاسلام، لاہور | ۲۰۱۸ء

26۔ شعیب سرور، مولانا

ا۔	حضرت عائشہؓ کے سو ۱۰۰ قصے	بیت العلوم، لاہور	س۔ن

27۔ شوزیب کاشر

ا۔	خمیازہ	رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی	اگست۔۲۰۱۸ء

28۔ صالح بن محمد العطا

ا۔	حیبۃ الحبیب ام المومنین عائشہؓ	الکویت	۲۰۰۸ء

29۔ صفدر رضا قادری، علامہ

ا۔	تذکرہ سادات بخاریہ	سکھ چین ہاؤس، لالہ موسیٰ	۲۰۱۶ء

30۔ صفر فلاحی

ا۔	ھدیہ معصومہ	انتشارات زائر، قم	۱۳۸۶

31۔ ظفر اقبال، مولانا (مترجم)

	سیرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ	دا المعرفۃ، لاہور	س۔ن

32۔ عابد حسین شاہ پیرزادہ

ا۔	تذکرہ سنوسی مشائخ	دائرالاسلام، لاہور	ستمبر۔۲۰۱۷ء

33۔ عاطف عبدالمعز الفیومی

ا۔	القول الجلی فی فضائل ام المومنین عائشہ والخلیفہ علی	مکتبۃ طریق المصلحی	۲۰۱۱ء

34۔ عباس قمی، شیخ، محدث

ا۔ منتھی الآمال/احسن المقال سیرت معصومین [ج۔ا]
مترجم: سید صفدر حسین نجفی | امامیہ پبلی کیشنز، لاہور | فروری۔۲۰۱۱ء

☆ منتھی الآمال/احسن المقال سیرت معصومین [ج۔۲]
مترجم: سید صفدر حسین نجفی | امامیہ پبلی کیشنز، لاہور | ستمبر۔۲۰۱۵ء

35۔ عبدالرحمٰن براہوئی، ڈاکٹر

ا۔ بلوچستان میں صحابہ کرامؓ | براہوئی اکیڈمی، پاکستان | ۲۰۰۴ء

36۔ عبدالعزیز خالقی

ا۔ زندگانی ملکہ عفت
ام المومنین عائشہؓ

37۔ عبداللہ ابوالسعود بدر

ا۔ تفسیر ام المومنین عائشہؓ | دار عالم الکتب، ریاض | ۱۹۹۶ء

38۔ عبدالحمید اطہر (مترجم)

ا۔ فضائل امہات المومنین کا
تذکرہ عنبریں | مبرۃ الآل والاصحاب | س۔ن

39۔ عبدالحمید محمود طہماز

ا۔ السیدۃ عائشہ اُمّ المومنین
وعالمۃ نساء الاسلام | دار القلم، بیروت | ۱۹۹۴ء

40۔ عبدالحق انصاری

ا۔ درود وسلام کی چند عربی کتب — بہاء الدین زکریا لائبریری، چکوال — ۲۰۱۴ء

41۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت علامہ

ا۔ سر الشہادتین (عربی مع ترجمہ) — مطبع مجتبائی، دہلی — ۱۳۰۹ھ

۲۔ شہادت حسین ترجمہ سرّ الشہادتین
مترجم: مولانا ریاض احمد صمدانی — ادارہ محی الدین، برطانیہ — جنوری۔ ۲۰۱۰ء

42۔ عبدالغفار شاہ کشمیریؒ، حضرت پیر

ا۔ عشرہ کاملہ درود شریف — مکتبہ حنفیہ، لاہور — ۲۰۱۴ء

43۔ علی بن حمد بن محمد التمیمی

ا۔ الامامان الحسن المثنی وابنہ عبداللہ
سیرۃ عطرۃ وتاریخ مشرق — مکتبۃ الکویت، کویت — ۲۰۱۱ء

44۔ ع۔م۔ چوہدری

ا۔ دیدارِ مصطفیٰ ﷺ اور درود مصطفیٰ — درود محل، بہاول پور — جون۔ ۲۰۱۷ء

45۔ غلام قادر بھیروی، مولانا

ا۔ اسلام کی گیارہ کتابیں (ساتویں کتاب) — مرکزی مجلسِ رضا، لاہور — س۔ن

46۔ قمر الزماں خاں اعظمی، علامہ

ا۔ وداع تاج الشریعہ — مرکزی مجلسِ رضا، لاہور — ۲۰۱۹ء

47- مجتبیٰ گیلانیؒ، سید

ا۔ عین التصوف

ترتیب وتدوین: پیر محمد طاہر حسین قادری — کتابخانہ ابن کرم، خانقاہ منگانی شریف — جون ۲۰۱۷ء

۲۔ ترتیب وتدوین: پیر محمد طاہر حسین قادری

فارسی متن [عکس مخطوطہ]

مخزونہ لائبریری عجائب گھر، لاہور — کتابخانہ ابن کرم، خانقاہ منگانی شریف — جون ۲۰۱۷ء

48- وہاب اشرفی، پروفیسر

ا۔ کاشف الحقائق ایک مطالعہ — پورب اکادمی، اسلام آباد — مارچ ۲۰۱۵ء

49- یحییٰ نعمانی

ا۔ جہاد اور عصر حاضر — مجلس تحقیقات اسلامی، نوشہرہ — س۔ن

50- یوسف بن اسماعیل النبہانیؒ، علامہ قاضی

ا۔ افضل الصلوات علی سید السادات ﷺ — س۔ن

☆☆☆☆

NIZAMIA DAR-UL-ISHA'AT KHANQAH-E-MO'ALLA
HAZRAT MOLANA MUHAMMAD ALI MAKHADI (R.A).
MAKHAD SHAREEF (ATTOCK)